سنگین گڑبڑ

(حصہ اول)

اشتیاق احمد

وہ دونوں

’’مم۔۔۔میں نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے‘‘ فاروق نے حیرت زدہ سی آواز میں کہا۔

’’دیکھا ہوگا۔۔۔میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا‘‘۔محمود نے منہ بنایا۔

’’کیا محسوس کیا تھا؟‘‘ فاروق نے اسے گھورا۔

’’کل میں نے ایک شخص کو دیکھا تھا۔۔۔اور مجھے محسوس ہوا تھا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔۔۔بعد میں مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا‘‘۔محمود نے جلدی جلدی کہا۔

’’خواب میں‘‘ وہ مسکرایا۔

’’میرا مذاق اڑا رہے ہو‘‘ فاروق بولا۔

’’نہیں۔۔۔میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔البتہ میں نے اس بات کا ذکر تم سے نہیں کیا تھا‘‘۔

''بہت خوب اگر تم مذاق نہیں کر رہے' تب پھر میں اور تم ایک ہی لائن پر کام کر رہے ہیں''۔ فاروق مسکرایا۔

''لائن۔۔۔ کک۔۔۔ کون سی لائن۔۔۔ یہاں تو کوئی لائن نہیں ہے۔۔۔ نیشنل پارک میں یوں بھی گھاس کے اوپر کوئی لائن نہیں ہو سکتی۔۔۔ یار فاروق۔۔۔ آج تمہاری عقل گھاس چرنے تو نہیں چلی گئی''۔

''اسے کہیں جانے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ گھاس تو پہلے ہی یہاں بے تحاشا ہے''۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا اور کھڑا ہو گیا۔

''کیوں۔۔۔ کھڑے کیوں ہو گئے؟''

''سکول کا کام مکمل ہو چکا ہے۔۔۔ اب ذرا میں اس شخص سے دو باتیں کروں گا''۔ وہ پرسکون انداز میں بولا۔

''کیا کہا۔۔۔ دو باتیں۔۔۔ یا تم بھول رہے ہو۔۔۔ تم فاروق

ہو۔۔۔محمود نہیں، محمود میں ادھر ہوں''۔محمود گھبرا گیا۔

''ہاں ہاں مجھے یاد ہے کہ میں فاروق ہوں اور کیسوں سے جی چراتا ہوں۔۔۔بلکہ گھبراتا ہوں۔۔۔بلکہ خوف کھاتا ہوں اور بھی جانے کیا کیا کرتا ہوں۔۔۔لیکن اس آدمی کی شکل نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔۔۔ایسا لگتا ہے جیسے کچھ عرصہ پہلے میں اسے بہت غور سے دیکھ چکا ہوں''۔

''تو پھر جاؤ۔۔۔کرو اس سے دو دو باتیں۔۔۔لیکن ایک بات ذہن میں رہے۔۔۔میں آج کی تاریخ میں کوئی کیس مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوں''۔محمود نے بھنائے انداز میں کہا۔

''تب پھر۔۔کیا مفت لینے کے لئے تیار ہو''۔فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

''ہاں! مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے''۔

''کوشش کروں گا''۔ فاروق ہنسا۔

''کیا کوشش کرو گے؟''

''اس بات کی کہ کیس مفت ہاتھ لگ جائے''۔

''دھت تیرے کی۔۔۔ ارے تو کیا ہاتھ لگانا ضروری ہے''۔

''پپ۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ اس سے ملاقات کرنے کے بعد سوچوں گا۔۔۔ ضروری ہے یا غیر ضروری''۔

''اچھا بابا۔۔۔ میرا دماغ نہ چاٹو''۔

''اوہو۔۔۔ تو کیا آج پھر تم اپنے دماغ پر شہد لگا کر آئے ہو''۔ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

''حد ہوگئی۔۔۔ جاؤ بھائی۔۔۔ تنگ نہ کرو۔۔۔ میں آج آرام کے موڈ میں ہوں۔۔۔ اور تم جانتے ہی ہو۔۔۔ جب میں آرام کے موڈ میں ہوتا ہوں تو پھر کوئی کام نہیں کرسکتا''۔ یہ کہہ کر محمود گھاس پر لیٹ

گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''حیرت ہے۔۔۔کمال ہے۔۔۔افسوس ہے۔۔۔کہیں آج اس کہ روح میں میرا جسم تو حلول نہیں کر گیا''۔فاروق بڑبڑایا۔۔۔پھر چونک کر بولا۔

ہائیں! یہ میں کیا کہہ گیا۔۔۔محمود کی روح میں میرا جسم۔۔۔ارے باپ رے۔۔۔کہنا میں یہ چاہ رہا تھا کہ کہیں آج محمود کے جسم میں میری روح تو نہیں چلی گئی اور اس کی روح میرے جسم میں تو نہیں آ گئی۔۔۔خیر مجھے کیا''۔یہ کہہ کر وہ اس شخص کی طرف چل پڑا۔۔۔

وہ کافی بے چین نظر آ رہا تھا اور بار بار ادھر دیکھ رہا تھا۔

''معاف کیجئے''۔فاروق نے کہا۔

''کر دیا معاف،،وہ چونکا۔

''بہت بہت شکریہ''۔

پاس بیٹھ سکتا ہوں"۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا"۔ فاروق نے کہا۔

"کیا نہیں کہہ سکتے؟" اس نے فاروق کو گھورا۔

"یہ کہ بات خاص ہے یا نہیں۔۔۔ ویسے بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے"۔

"کہیں دیکھا ہے۔۔۔ ارے تو دیکھا ہوگا کہیں۔۔۔ یہ بھی کوئی خاص بات ہے"۔ وہ جھلا اٹھا۔

"تو آپ کے خیال میں یہ کوئی خاص بات نہیں ہے"۔ فاروق نے مایوس سانہ انداز میں کہا۔

’’نہیں ۔۔ بالکل نہیں‘‘۔اس نے جھلا کر کہا۔

’’میرا ساتھی بھی یہی کہہ رہا تھا۔

’’کک ۔۔۔کیا کہہ رہا تھا تمہارا ساتھی‘‘۔وہ جلدی سے بولا۔

’’یہ کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے‘‘۔

’’کیا آپ میرا دماغ چاٹنے کا اردہ رکھتے ہیں؟‘‘

’’نن نہیں تو۔۔۔اس کام کے لئے تو میرے ساتھی کا دماغ بھی کافی ہے‘‘۔فاروق نے گھبرا کر کہا۔

’’اچھا آپ یہاں سے اٹھ جایئے۔۔۔کیونکہ اگر آپ یہاں بیٹھے رہے تو ضرور میرا دماغ بالکل خالی ہو جائے گا‘‘۔

’’حیرت ہے۔۔۔کمال ہے۔۔۔افسوس ہے‘‘۔فاروق یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

’’ہو گا۔۔ہو گا۔۔ہو گا‘‘۔وہ بھنا کر بولا۔

قدم اٹھانے لگا۔

''پاگل کہیں کا''۔اس آدمی نے تلملا کر کہا۔

اور وہ مسکراتے ہوئے محمود کے پاس پہنچ گیا۔

''کیا رہا؟''

''ڈھاک کے وہی تین پات۔۔۔وہ پلا پکڑانے کو تیار نہیں''۔

''یعنی تم کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔۔۔اور خود وہ کوئی بات بتانے کو تیار نہیں''۔

''یہی بات ہے''۔فاروق نے فوراً کہا۔

''تو اس میں مایوس ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ذہن پر زور دو ۔۔۔یاد آجائے گا۔۔کہاں دیکھا ہے''۔

''کوشش تو بہت کر رہا ہوں اور خوب زور بھی ڈال رہا ہوں۔۔۔

ارے۔۔۔اس کی طرف تو کوئی بڑھ رہا ہے"۔فاروق نے چونک کر کہا۔

محمود نے اس کی طرف دیکھا۔۔۔پارک کے دروازے کی طرف سے آتا ہوا ایک شخص اس آدمی کی طرف تیزی سی آ رہا تھا۔۔۔جونہی وہ اس کے نزدیک پہنچا۔۔۔محمود بہت زور سے چونکا۔۔۔اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گییں۔

"اوف مالک۔۔۔یہ۔۔۔یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"۔

"دوسرا آدمی دیکھ رہے ہو۔۔۔اور کیا دیکھ رہے ہو"۔فاروق نے منہ بنایا۔

"میں نے کل اسی آدمی کو دیکھا تھا اور بالکل وہی بات محسوس ہوئی تھی کہا اس آدمی کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔۔۔لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ خواب میں دیکھا ہو گا"۔

”کیا!!!! فاروق کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت انہوں نے ان دونوں کو پارک کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔



ملازم نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور مڑ کر جانے لگا۔

”ذرا میرا تصاویر والا البم تو لادو“۔فرزانہ کی سہیلی نے اس سے کہا۔

”جی اچھا بی بی“ ملازم بولا‘ اس کی آواز سن کر فرزانہ چونکی۔اور اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

”پچھلی مرتبہ جب میں تمہارے ہاں آئی تھی شازیہ۔۔۔اس وقت تو یہ ملازم نہیں تھا“۔

”ہاں!نیا رکھا ہے۔۔۔وہ ملازم بیمار رہنے لگا ہے۔۔۔۔اس نے

ملازمت چھوڑ دی ہے"۔شازیہ بولی۔

"اوہ! تو کیا تم نے اس کی خبر لی جا کر"۔

"نن نہیں" شازیہ ہکلائی۔

"بیمار ہونے کی وجہ سے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔۔۔ان حالات میں تو وہ تنگ دستی کا شکار ہو گیا ہو گا۔۔۔اور تمہیں تو نہیں۔۔۔ تمہارے ابو کو ضرور اس کی خیر خبر لینی چاہیے تھی۔۔۔شاید اسے مدد کی ضرورت ہو"۔

"واقعی۔۔۔ہم نے تو اس طرف کبھی سوچا بھی نہیں"۔

"تب پھر آؤ۔۔۔دونوں چل کر حالات معلوم کرتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے"۔شازیہ بولی۔

"چائے سے فارغ ہو کر وہ گھر سے باہر نکلیں۔۔۔شازیہ اس کی کلاس فیلو تھی اور آج اس نے اسے شام کی چائے پر بلایا تھا۔۔۔اس سے

پہلے بھی وہ ایک دو بار آ چکی تھی۔۔۔دونوں سابقہ ملازم کے گھر پہنچیں۔۔۔دروازے پر دستک دی تو اسی بوڑھے نے دروازہ کھولا۔۔۔شازیہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت دوڑ گی۔

''بی بی جی۔۔آپ''۔

''ہاں بابا۔۔۔آپ کا حال پوچھنے آئے ہیں۔۔۔اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خیال مجھے میری سہیلی فرزانہ نے دلایا ہے''۔

''بہت بہت شکریہ۔۔۔آپ نے مجھ غریب کی خبر تو لی۔۔۔آیئے اندر''۔

''دونوں اندر داخل ہوئیں۔۔۔انہوں نے وہاں غریب کے ڈیرے دیکھے۔۔۔ہر چیز سے تنگ دستی ٹپک رہی تھی۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی رہتی ہے؟''

''طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔لیکن چونکہ اب کوئی کام کرنے کو قابل

نہیں رہا۔۔۔اس لئے‘‘۔وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔۔۔ایک طرف ایک بوڑھی عورت بیٹھی ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

’’آپ کے بچے نہیں ہیں‘‘۔

’’ہاں۔۔میرے چھے بیٹے ہیں‘‘۔

’’پھر۔۔وہ کہاں ہیں؟‘‘

’’چھے کے چھے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ الگ رہتے ہیں۔۔ان سب کی شادیاں میں نے اپنے ہاتھوں سے کیں۔۔۔انہیں گھر خرید کر دیئے‘‘۔

’’اور اب۔۔۔وہ آپ کو نہیں پوچھتے‘‘۔فرزانہ بولی۔

بوڑھے نے ان کی طرف دیکھا۔۔۔اس نے ہاں کہا نہ نا۔۔۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔تو وہ مطلب سمجھ گئیں۔۔۔ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔۔۔فرزانہ نے جیب سے کچھ نوٹ

نکال کر اس کی گود میں ڈال دیے۔۔۔شازیہ نے بھی یہی کیا۔

''ہم اب ہر ماہ آیا کریں گے۔۔۔آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں''۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے''۔وہ رو پڑا۔

اور وہ دلوں پر بھاری بوجھ لیے باہر نکل آئیں۔۔۔فرزانہ گھر پہنچی تو محمود اور فاروق پارک سے ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔

''حیرت ہے امی جان۔۔یہ دونوں ابھی تک نہیں آئے''۔

''شائد کہیں اٹک گئے ہوں''۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔۔۔فرزانہ نے دروازہ کھولا تو وہ فوراً بولے۔

''کیوں! یہ کہاں رہ گئے؟''

''پپ۔۔پتا نہیں''۔

"وہ اندر آ گئے۔۔۔انسپکٹر جمشید نے گھڑی دیکھی۔۔۔ٹھیک پانچ بج کر ایک منٹ ہو چکا تھا۔۔۔محمود اور فاروق پارک سے واپس پونے پانچ بجے تک آ جاتے تھے۔۔۔ان دونوں وہ پھر سے باقاعدہ پارک میں جانے لگے تھے۔

"چلو ہم چائے پیتے ہیں"۔انہوں نے منہ بنا کر کہا۔

"ایک دو منٹ اور انتظار کر لیتے ہیں۔۔۔بلا وجہ تو وہ بھی رکنے والے نہیں"۔بیگم جمشید بولیں۔

"ہوں اچھا"۔وہ بولے۔

"میں آج شازیہ کے ہاں گئی تھی ابا جان"۔

"اچھا تو پھر؟"انہوں نے اس کی طرف دیکھا"۔

"وہاں میں نے ایک نئے ملازم کو دیکھا"۔

"نئے ملازم کو اور پھر۔۔اس میں کیا نئی بات ہو گئی۔۔گھروں کے

ملازم ادلتے بدلتے رہتے ہیں''۔

''جی ہاں! وہ تو ہے۔۔۔لیکن میرا خیال ہے۔۔۔وہ ملازم مسلمان نہیں ہے''۔

''کیا مطلب؟''وہ چونکے۔

''میرا خیال ہے۔۔۔وہ کوئی ہندو ہے۔۔۔مسلمان کے روپ میں''۔

''کیا!!!وہ اچھل پڑے۔

اور پھر ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔۔انہیں اس قدر حیران دیکھ کر فرزانہ خود بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔۔عین اس لمحے دروازے کی گھنٹی بجی۔



دیکھ لیا ہے:

''ہاں فاروق۔۔۔آخر ایسا کیوں ہے۔۔۔ایک آدمی کو دیکھ کر تمہیں یہ کیوں محسوس ہوا کہ تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔۔۔دوسرے آدمی کو دیکھ کر مجھے ایسا کیوں محسوس ہوا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے اور یہ دونوں آدمی ایک ساتھ موجود ہیں''۔

''یہ باتیں واقعی بہت عجیب ہیں۔۔۔اسی لئے میں ان کے تعاقب میں جا رہا ہوں''۔فاروق نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''کیا کہا۔۔۔تم ان کے تعاقب میں جا رہے ہو۔۔۔اور میں یہاں بیٹھ کر بھاڑ جھونکوں گا''۔''تمہاری مرضی۔۔۔جو جی میں آئے کرو''

اس نے برا سا منہ بنایا۔

''نہیں ہرگز نہیں۔۔۔میں تمہارے ساتھ جاؤں گا''۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔۔۔آؤ''۔فاروق مسکرایا۔

دونوں ان کے تعاقب میں پارک سے نکل آئے۔۔۔انہوں نے دیکھا' وہ ایک کار میں بیٹھ رہے تھے۔۔۔وہ اپنی کار کی طرف بڑے اور تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

''اسے کہتے ہیں آ بیل مجھے مار' محمود بولا۔

''بلکہ آج ہم دونوں کو کیا ہو گیا؟'' فاروق فوراً بولا۔

''ہاں! واقعی یہ بات ہے۔۔۔ خیر دیکھتے ہیں۔۔۔ یہ تعاقب ہمیں کہا لے جاتا ہے۔۔۔ ارے گھر میں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا''۔

''اب تک وہ جان چکے ہوں گے کہ ہم کسی چکر میں پھنس چکے ہیں''

''اوہو۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ تو دالی رساسانی کی کوٹھی میں داخل ہو رہے ہیں''۔

''حیرت ہے یہاں ان کا کیا کام۔۔۔ دالی رساسانی تو ہمارے شہر کے کافی مشہور آدمی ہے''۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟'' محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

''صبر! ایسے موقوں پر ہم یہی تو کرتے ہیں''۔ فاروق نے مسکرا کر کہا۔

''نہ جانے یہ کب لوٹیں۔۔۔ کیوں نہ یہاں تین عدد سادہ لباس والوں کی ڈیوٹی لگا کر ہم گھر چلیں'' محمود نے یہ تجویز پیش کی۔

''میرا خیال ہے۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

محمود نے فوراً دفتر کے نمبر ملائے۔۔۔ اس طرف سے توحید احمد کی آواز سنائی دی۔

''کیوں! آج انکل اکرم کہاں ہیں؟''

''انہیں آئی جی صاحب نے بلایا ہے''۔

''اوہ اچھا۔۔۔ آپ فوراً دو سادہ لباس والے والی رسا سانی کی کوٹھی کے پاس بھیج دیں۔۔۔ ہم یہاں موجود ہیں''۔

''اوکے۔۔۔کیا میں خود آؤں؟'' توحید احمد نے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔ابھی آپ کی ضرورت پیش نہیں آئی''۔محمود نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ انتظار کرتے رہے۔۔۔دونوں آدمی دالی رسا سانی کی کوٹھی سے باہر نہ آئے۔۔سادہ لباس والے آ گئے۔۔۔ان کے حلیئے بتا کر اور ہدایات دے کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔گھنٹی بجانے پر دروازا فرزانہ نے کھولا۔۔۔اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر فاروق نے کہا۔

''اس قدر حیرت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ہم ذرا الجھ گئے تھے''۔

''میں تم دونوں کے لیٹ آنے پر حیرت ظاہر نہیں کر رہی''

اس نے برا سا منہ بنایا۔

''تب پھر؟'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''اندر آ جاؤ۔۔۔حیران ہونے کا خوب موقع ملے گا''۔

''اچھا۔۔۔اس کا مطلب ہے۔۔۔یہاں بھی کچھ شروع ہو چکا ہے''۔فاروق چہکا۔

''نہیں۔۔۔شروع تو ہوا تھا۔۔۔میری سہیلی کے ہاں''۔

وہ اندر آ گئے۔۔۔علیک سلیک ہوئے۔۔۔انسپکٹر جمشید نے انہیں نظر بھر کر دیکھا۔

''کسی کا تعاقب کر کے آ رہے ہو''۔

''جی۔۔۔آپ کو کیسے پتا چلا؟''محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے اور پھر بولے۔

''یہ بات بھی تمہیں بتانا ہو گی''۔

''جی بہت بہتر۔دونوں ایک ساتھ بولے اور آئینے کی طرف

گئے۔۔۔آیئنے میں آپنے آپ کا جائزہ لیا اور واپس ان کی طرف آئے۔

''ہمارے بالوں میں گرد اور چند باریک تنکے موجود ہیں۔۔۔جب کہ پارک میں تنکے اور گرد نہیں اڑ سکتی تھی۔۔۔اس لئے کہ کل بارش ہوئی تھی اور پارک اچھا بھلا گیلا تھا۔لہٰذا ہم کار میں کسی سڑک کے کنارے رکے رہے۔۔۔مطلب یہ کہ ہم نے انتظار کیا اور انتظار تعاقب کا لازمی حصہ ہے۔۔۔لہٰذا آپ نے اندازہ لگا لیا''۔

''ہوں۔۔۔ٹھیک ہے خیر۔۔۔آپ بتاؤ''۔

انہوں نے بات بتا دی۔۔۔پھر محمود نے کہا۔

''لیکن آپ کس بات پر حیران ہیں؟''

''فرزانہ کسی سہیلی کے ہاں گئی تھی۔۔۔وہاں اسے ایک نیا ملازم نظر

''ہم دونوں کا اب ایک ہی خیال کہ ہم نے ان کو دیکھا ہے۔۔۔

کہاں دیکھا ہے۔۔۔یہ یاد نہیں آرہا''۔

''ان کی تصویر لی تھی؟''انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی ہاں بالکل''۔دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''اچھی بات ہے۔۔۔فلم دھولو۔۔۔تاکہ میں اور فرزانہ بھی ان دونوں کو دیکھ لیں''۔

فلم دھوئی گئی۔ان دونوں کی تصاویر سامنے آئیں۔۔۔انسپکٹر جمشید اور فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''واقعی۔۔۔ہم نے بھی انہیں دیکھا ہے۔۔۔لیکن سوال تو یہ ہے کہ کہاں؟''

''یہی تو سوچنا ہے''۔

''اور دوسری الجھن فرزانہ کی سہیلی کے ملازم کی ہے۔۔۔فرزانہ تم

''ہم دونوں کا اب ایک ہی خیال کہ ہم نے ان کو دیکھا ہے۔۔۔

کہاں دیکھا ہے۔۔۔یہ یاد نہیں آرہا''۔

''ان کی تصویر لی تھی؟''انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی ہاں بالکل''۔دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''اچھی بات ہے۔۔۔فلم دھولو۔۔۔تاکہ میں اور فرزانہ بھی ان دونوں کو دیکھ لیں''۔

فلم دھوئی گئی۔ان دونوں کی تصاویر سامنے آئیں۔۔۔انسپکٹر جمشید اور فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''واقعی۔۔۔ہم نے بھی انہیں دیکھا ہے۔۔۔لیکن سوال تو یہ ہے کہ کہاں؟''

''یہی تو سوچنا ہے''۔

''اور دوسری الجھن فرزانہ کی سہیلی کے ملازم کی ہے۔۔۔فرزانہ تم

ذرا شازیہ کو فون کرو۔۔۔اس سے پوچھو۔۔۔کیا اس بارے میں وہ کچھ جانتی ہے''۔

''ٹھیک ہے ابا جان''۔اس نے کہا اور شازیہ کے نمبر ملائے' جلد ہی اس کی آواز سنائی دی۔

''السلام علیکم شازیہ۔۔۔میں فرزانہ بات کر رہی ہوں''۔

''ارے۔۔۔خیر تو ہے؟'' شازیہ چونکی۔

''تمہارے نئے ملازم کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔۔۔وہ کہیں آس پاس تو نہیں ہے''۔

''نن نہیں تو۔۔کیوں۔۔کیا معاملہ ہے؟''

''دروازہ اندر سے بند کرلو اور دبی آواز میں بات کرو''۔

''معلوم ہوتا ہے۔۔۔کوئی چکر ہے۔۔۔اچھا پہلے میں دروازہ بند کر دوں''۔

چند سیکنڈ بعد پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''ہاں فرزانہ! اب کہو۔ کیا بات ہے؟''

''اس ملازم کو کب سے ملازم رکھا گیا ہے''

''میرا خیال ہے دو ماہ پہلے''۔

''کسی کی سفارش لے کر آیا تھا کیا؟''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔۔۔ اس بارے میں تو ڈیڈی ہی بتا سکتے ہیں''۔

''اس کا نام کیا ہے؟''

''کرامت'' اس نے بتایا۔

''کیا یہ شخص مسلمان ہے؟'' فرزانہ نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''ہاں کیوں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''کیا تم نے اسے کبھی نماز پڑھتے دیکھا ہے؟''

"نہیں۔۔۔یہ نماز نہیں پڑھتا۔۔۔لیکن فرزانہ بے شمار مسلمان نماز نہیں پڑھتے"۔

"بے نمازی مسلمان ایسا ہی ہے۔۔۔جیسے بس نام کا مسلمان ہو"۔

"لیکن تم کہنا کیا چاہتی ہو۔۔۔کیا میں اس سے یہ کہوں کہ وہ نماز پڑھا کرے"۔

"ایسی اس سے کوئی بات نہ کرنا۔۔۔ہم آ رہے ہیں"۔

"ہم آ رہے ہیں۔۔۔اس ہم سے کیا مراد ہے؟"

"میں محمودااور فاروق آ رہے ہیں۔۔۔ہمیں اس ملازم پر شک ہے کہیں یہ کوئی ہاتھ نہ دکھا جائے"۔

"اوہ اوہ"۔ وہ چونک اٹھی۔

فرزانہ نے فون بند کر دیا۔

"اب تم نے جو کہہ دیا ہے۔۔۔اسی پر عمل کر ڈالو۔۔۔ورنہ میرا

ارادہ تو دو سادہ لباس والے مقرر کرنے کا تھا"۔

"ویسے ابا جان۔۔۔میرا خیال ہے۔۔۔اس سلسلے میں شازیہ کے والد صاحب سے ملنا پڑے گا۔۔۔شازیہ کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے۔۔ لگے ہاتھوں ان سے بھی مل لینا۔۔۔کوئی اعتراض نہیں۔۔۔اور ہاں۔۔۔ان کا نام کیا ہے؟"

"فیاض شیرازی"

"نام سنا ہوا لگتا ہے۔۔۔اکرام اس کے بارے میں کچھ بتا سکے شاید۔۔۔ایک منٹ۔۔۔وہاں جانے سے پہلے تمہارے پاس پوری معلومات ہونا بہتر ہے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے دفتر فون کیا۔

"انکل اکرام دفتر میں نہیں تھے۔۔۔لیکن شاید اب آ گئے ہوں"۔

"دیکھ لیتے ہیں"۔ وہ بولے۔

اسی وقت سلسلہ مل گیا اور اکرام کی آواز سنائی دی۔

"اکرام! تم تھوڑی دیر پہلے کہاں تھے؟"

"آئی جی صاحب نے بلایا تھا"۔

"خیر تو تھی؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! انہیں ایک فائل کے بارے میں معلومات درکار تھیں"۔

"اچھا ٹھیک ہے اکرام۔۔۔ دلاور ساسانی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"دلاور ساسانی ایک بڑا آدمی ہے۔۔۔ ایک وفاقی وزیر کا قریبی رشتہ دار بھی ہے۔۔۔ ہاں یاد آیا وزیر جیل خانہ جات کا"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"شاید وزیر جیل خانہ جات کا نام عادل فیروز ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں یہی تو ہے"۔

''دلاور ساسانی کے بارے میں کوئی غلط بات تو نہیں ہے ریکارڈ پر''۔

''جی۔۔۔جی نہیں''۔اس نے فوراً کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔۔۔فیاض شیرازی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

''میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا''۔

''اچھا شکریہ''۔یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

''تم وہاں ہو آؤ۔۔۔پھر دلاور ساسانی کے ہاں بھی چلے جانا''۔

''گویا ہمیں اجازت ہے۔۔۔اور آپ اس سلسلے میں کچھ کرنے کا اردہ نہیں رکھتے''۔

''بھئی جب تک کوئی یقینی بات سامنے نہ آجائے۔۔۔اس وقت تک میرا حرکت میں آنا مناسب نہیں۔

''ٹھیک ہے۔۔۔پھر صرف ہم حرکت میں آجاتے ہیں۔۔آؤ بھئی چلیں''۔

وہ اسی وقت فیاض شیرازی کے ہاں پہنچے۔۔شازیہ لان میں ٹہل رہی تھی۔۔۔انہیں دیکھ کر بے تابانہ انداز میں ان کی طرف آئی۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔یہ صرف فرزانہ کا خیال ہے۔۔جو غلط بھی ہو سکتا ہے''۔

''یہ کہ۔۔۔کرامت مسلمان نہیں۔۔۔ہندو ہے''۔شازیہ نے سوالیہ انداز میں میں کہا۔

''ہاں۔۔۔بالکل''۔فرزانہ نے کہا۔

''خیر۔۔۔اب کرنا کیا ہے''۔

''تم اسے کسی کام سے باہر بھیج دو۔۔۔اتنے فاصلے پر کہ وہ آدھ گھنٹے سے پہلے نہ آسکے۔۔۔اس کے بعد ہم اس کے کواٹر کی تلاشی لیں گے اس طرح کہ اسے شک نہیں ہو سکے گا''۔

’’ہوں اچھا۔۔۔آپ لوگ میرے کمرے میں آجائیں‘‘۔

وہ انہیں کمرے میں لے آئی۔۔۔دروازہ بند کیا اور چلی گئی۔۔۔

چند منٹ بعد ہی اس کی واپسی ہوئی۔

’’میں نے اپنی سہیلی کے نام خط لکھ کر اسے دیا ہے اب وہ اس سے جواب لکھوا کر لائے گا۔۔۔فاصلہ اتنا ہے کہ اگر کار پر بھی جائیں تو بھی آنے جانے میں ایک گھنٹا تو لگ ہی جائے گا‘‘۔

’’ٹھیک ہے۔۔۔اب ہمیں اس کے کمرے میں لے چلو‘‘۔

آؤ چلیں‘‘۔

شازیہ نے ان کی رہنمائی کی اور کوٹھی کے عقب کی طرف چل پڑی۔

کوٹھی کے عقب میں سرونٹ کواٹر بنے تھے۔۔۔وہ انہیں ایک کواٹر میں لے آئی۔

’’یہ ہے اس کا کواٹر‘‘۔

دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

تالا دیکھ کر فرزانہ نے سوالیہ انداز میں شازیہ کی طرف دیکھا۔۔۔

شازیہ نے فوراً ہی چابی ان کی طرف بڑھا دی۔۔۔محمود نے تالا کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔۔۔لیکن ابھی انہوں نے تلاشی شروع نہیں کی تھی کہ ایک آواز نے انہیں اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

وہ سب زور سے اچھل پڑے۔

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔۔۔دروازے میں کرامت کھڑا انہیں خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اوہ!یہ آپ ہیں کرامت صاحب۔۔۔آیئے آیئے۔۔۔اچھا ہوا آپ بھی آ گئے۔۔۔آپ کی موجودگی میں ہم اچھی طرح تلاشی لے سکیں گے''۔فاروق نے پرسکون انداز میں کہا۔

کرامت فاروق کی بات سن کر بھڑک اٹھا اور تلملا کر بولا۔

''تو آپ لوگ میرے کمرے کی تلاشی لے رہے ہیں؟''

''ہاں! یہی بات ہے''۔

''لیکن کیوں۔۔۔کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے''۔

''پہلے تو یہ بتاؤ۔۔۔میں نے تمہیں رقیہ کے گھر بھیجا تھا۔۔۔تم گئے کیوں نہیں''۔شازیہ نے جھلا کر کہا۔

''مجھے شک ہو گیا تھا۔۔۔اس لئے کہ رقیّہ صاحبہ کے گھر فون لگا ہوا ہے۔یہاں تو تین تین فون موجود ہیں۔۔۔اور آپ آسانی سے فون پر بات کر سکتی تھیں۔۔۔پھر آخر خط دے کر مجھے کیوں بھیجا جا رہا ہے۔۔۔

لہٰذا میں نے سوچا۔۔۔جانے سے پہلے ذرا چھپ کر دیکھ لوں۔۔

یہاں ہو کیا رہا ہے''۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

''پھر دیکھ لیا ہے''۔

''ہاں! جو دیکھنا چاہتا تھا' دیکھ لیا۔۔۔اب میں اس گھر کی ملازمت نہیں کروں گا۔۔۔میں جا رہا ہوں''۔

یہ کہہ کر وہ لگا مڑنے۔۔لیکن ایسے میں محمود نے اپنی سرکاری ٹانگ آگے کر دی۔

وہ دھڑام سے گرا۔۔ساتھ ہی ایک اور حیرت انگیز بات ہوئی۔



جنزل سودا

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا' سلسلہ ملتے ہی وہ بولے۔

''اکرام! تم ذرا میرے پاس آجاؤ۔۔ایک ضروری کام ہے''۔

''او کے سر''۔وہ بولا اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

جلد ہی وہ ان کے سامنے بیٹھا چائے پی رہا تھا۔۔۔جب انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے تو پریشان ہو کر بولا۔

''ہاں سر۔۔۔فرمایئے۔۔کیا کام ہے''

''ایسا معلوم ہوتا ہے۔۔۔کہ محمود اور فرزانہ کسی اہم کیس پر ہاتھ ڈال چکے ہیں۔۔۔وہ کیا رپورٹ لاتے ہیں' یہ تو بعد میں پتا چلے گا۔۔۔فی الحال ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیے''۔

''میں کچھ نہیں سمجھا سر''اکرام نے گھبرا کر کہا۔

''فرزانہ اپنی ایک سہیلی سے ملنے گئی تھی' اس کے والد کا نام فیاض شیرازی ہے۔۔۔گھر کے ملازم کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔۔۔اس کے خیال میں وہ ہندو ہے''۔

''ایک مسلمان کے گھر میں ہندو ملازم''۔اکرام کے منہ سے نکلا۔

''ہاں! اب یا تو وہ ہندو ہے۔۔۔یا پھر اس نے خود کو مسلمان ظاہر کر

کے ملازمت حاصل کی ہے۔۔۔۔ویسے وہ نیا رکھا گیا ہے"۔

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کی نگرانی شروع کرادوں"۔

اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں۔۔۔فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ضرورت محسوس ہوئی تو ایسا کریں گے۔۔۔میرے لئے پریشانی کی بات کچھ اور ہے"۔

وہ مسکرا کر بولے۔

"اور وہ کیا ہے سر؟"

"ایک ماہ پہلے اخبار میں خبر چھپی تھی۔۔۔کہ ایک بڑے آدمی کا ملازم ہندو نکلا۔۔۔اسے اتفاق سے کسی نے بت کی پوجا کرتے دیکھ لیا۔۔۔یہ بات گھر کے مالک کو بتائی گئی۔۔۔وہ غالباً چھپ کر کسی مندر میں ہو کر آیا تھا۔۔۔لیکن وہاں جاتے ہوئے اس شخص کے واقف نے دیکھ لیا اور اسے ملازمت سے نکال دیا گیا"۔

''تو اس میں عجیب بات کیا ہے سر۔۔۔کسی بے روزگار ہندو نے ایسا کرلیا ہوگا''۔

''لیکن وہ مال دار آدمی تو عام آدمی نہیں تھا۔۔۔وزیرِ خارجہ کا سیکرٹری تھا''۔

''اوہ۔۔۔اس صورت میں یہ بات خاص ہوتی ہے۔۔۔آپ کا مطلب ہے۔۔۔رضوان توقیر صاحب نے اس ملازم کو نکال باہر کیا تھا''۔

''ہاں! اگر فرزانہ کی سہیلی کے گھر میں بھی وہی ہندو موجود ہے تو معاملہ سنگین ہے۔۔۔اور یہ کوئی سوچی سمجھی سکیم ہے''۔

''کوئی اور ہندو اگر ہے۔۔۔تب بھی یہ اسی سکیم کا حصہ ہوسکتا ہے سر۔۔۔ضروری نہیں کہ سازش کرنے والے ایک ہی آدمی سے کام لیں''۔

''ہاں! تمہاری بات میں وزن ہے اکرام۔۔۔خیر۔۔۔پہلے تو یہ معلوم کرنا ہوگا کہ فیاض شیرازی کون ہے۔۔۔جس کے گھر میں کسی ہندو کو ملازم رکھوانے کی ضرورت پیش آئی''۔

''فیاض شیرازی۔۔۔کیا میں معلومات حاصل کروں؟''

''ابھی نہیں۔۔۔پہلے وہ تینوں آلیں ذرا۔۔۔ہم پہلے تیل دیکھیں گے اور تیل کی دھار دیکھیں گے۔۔۔اب ایک اور کیس سنو''۔یہ کہہ کر انہوں نے محمود اور فاروق والے کیس کے متعلق بتایا''۔

''ان کا دلاور ساسانی کے ہاں جانا الجھن پیدا کر رہا ہے۔۔۔اب جب تک انہیں یہ یاد نہ آجائے کہ کہاں دیکھا تھا۔۔۔بات کیسے بن سکتی ہے''۔

''ہاں! یہی بات ہے''۔

''تب پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟''

"ہمارے پاس ان دونوں کی تصاویر موجود ہیں۔۔۔میں چاہتا ہوں۔۔۔تم یہ تصاویر لے جاؤ اور اپنے ریکارڈ میں ان کو تلاش کرو"۔

"بہت خوب! اب تو میرا کام آسان ہوگیا"۔اس نے خوش ہو کر کہا۔

"پھر وہ تصاویر لے کر چلا گیا۔۔۔انسپکٹر جمشید کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔۔۔وہ چونک اٹھے۔۔۔اس لئے کہ انداز جانا پہچانا نہیں تھا۔۔۔اٹھ کر دروازے پر پہنچے۔۔۔اور پھر یک دم کھول دیا۔۔باہر ایک نوجوان کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"جی فرمایئے"۔انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا میں دروازے میں کھڑا رہ کر اپنی بات بتاؤں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔اگر دیر لگنے کا امکان ہے تو آپ کو ڈرائنگ

روم میں بٹھا دیتا ہوں‘‘۔

’’اچھی بات۔۔۔تو پھر بٹھائیے‘‘۔وہ مسکرایا۔

اس کا انداز انہیں عجیب سا لگا۔۔۔اس قدر پراعتماد انداز میں کسی کو مسکراتے انہوں نے کسی کو پہلی بار دیکھا تھا۔۔۔وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے۔۔۔نہ جانے کیوں۔۔۔ان کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔۔۔اور یہ بات انہیں پریشان کئے ہوئے تھی۔۔۔لیکن انہوں نے اپنی پریشانی ظاہر نہیں ہونے دی۔۔۔اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ کچھ نہ بولا۔۔۔بس ان کی طرف دیکھتا رہا۔۔۔ اس کے دیکھنے کا انداز بھی بہت گہرا تھا۔۔۔اندر کہیں طنز موجود تھا۔۔۔لیکن ظاہر میں طنز محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا۔

’’آپ کتنی دیر تک مجھے یونہی دیکھتے رہیں گے؟‘‘انسپکٹر جمشید نے آخر تنگ آکر کہا۔

''اوہ ہاں! میں اپنے خیالات میں گم ہو گیا تھا''۔وہ چونک کر بولا۔

''آپ یہاں مجھ سے بات کرنے آئے ہیں۔۔۔اپنے خیالات میں گم ہونے نہیں آئے''۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔خیر میں اپنی بات شروع کرتا ہوں۔۔۔میں آپ سے ایک سودا کرنے آیا ہوں۔۔۔دیکھئے اس وقت یہاں میرے اور آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔۔۔اس سودے کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی''۔

''لیکن کس سودے کی بات کر رہے ہیں پہلے یہ تو معلوم ہو؟''

''اس سودے کا کوئی نام نہیں ہے''اس نے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔۔۔بھلا؟''انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔۔۔ابھی تک وہ کچھ اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ یہ نوجوان ان سے آخر چاہتا کیا ہے۔

''یہ بات ہوئی ہے انسپکٹر صاحب۔۔۔آپ کو آج تک کسی نے اس قسم کے سودے کی پیش کش نہیں کی ہو گی''۔

''جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ سودا ہے کیا۔۔۔میں کوئی بات نہیں کر سکتا''۔

''آپ اسے جنرل سودا کہہ سکتے ہیں''۔

''جنرل سودا۔۔۔یعنی جس طرح مرچنٹس ہوتے ہیں۔۔ ہر طرح کا سودا دکانوں پر رکھتے ہیں''۔

''میرے پاس ہر طرح کے سودے کی کوئی دکان نہیں ہے۔۔۔آپ غلط جگہ آ گئے ہیں''۔وہ منہ بنا کر بولے۔

''یہی تو مشکل ہے۔وہ مسکرایا۔

''کیا مشکل ہے''۔انہیں اس پر غصہ آ گیا۔

''میں بالکل درست جگہ پر آیا ہوں۔۔۔یہ سودا ہو گا تو بس آپ

سے، ورنہ نہیں ہو گا‘‘۔

’’آخر سودا ہے کیا؟‘‘

’’میں نے کہا تو ہے۔۔۔ایک جنرل سودا ہے۔۔۔آپ یوں فرض کرلیں کہ آپ کی ایک دوکان ہے جنرل مرچنٹس کی‘‘۔

’’کیا کرتے ہیں آپ۔۔۔مجھے دکاندار بنا رہے ہیں‘‘۔

وہ بگڑ گئے۔

’’میں فرض کرر ہا ہوں‘‘۔وہ مسکرایا۔

اس دوران انسپکٹر جمشید اپنی کرسی کے پائے میں لگا کر ایک خفیہ بٹن دبا چکے تھے۔۔۔وہ بٹن دیکھنے سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔۔۔ان کے بٹن دبانے کا اسے احساس نہ ہو سکا۔

’’چلیئے۔۔۔کرلیں فرض اور اپنی بات جلد مکمل کریں۔۔۔اس لئے کہ مجھے اور بھی کام ہیں‘‘۔انہوں نے منہ بنایا۔

''اوہ ہاں! آپ بہت مصروف ہیں۔۔۔یہ بات مجھے معلوم ہے۔۔۔خیر میں بات مختصر کرتا ہوں۔۔۔آپ ہم سے سودا کریں۔۔۔ہم آپکو سادہ چیک دے دیتے ہیں''۔

''سادہ چیک کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ایک بالکل کھلا سودا ہوگا''۔

''افسوس! میں اب بھی نہیں سمجھا۔۔۔ویسے کیا آپ مجھے سوداگر سمجھتے ہیں''۔

''نہیں۔۔۔آپ سوداگر نہیں ہیں۔۔۔سوداگر تو ہم ہیں۔۔۔ہاں ہم آپ کو سوداگری سکھانے ضرور آئے ہیں' جب آپ سوداگری سیکھ جائیں گے۔۔۔اس وقت آپ خود کو سوداگر کہہ سکیں گے''۔

''میں نے کہا تھا۔۔۔آپ اپنی بات مختصر کریں۔۔کیونکہ میں بہت

مصروف ہوں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔اب سنئے۔۔۔آپ ہم سے سادہ چیک لیں ۔۔۔ہمیں ایک تحریر لکھ دیں۔۔۔ ہم جب چاہیں گے۔۔۔جس معاملے میں چاہیں گے۔۔۔آپ کو بتا دیا کریں گے"۔

"کیا بتا دیا کریں گے۔۔۔آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"یہی کہ آپ فلاں کیس پر کام نا کریں۔۔۔یا اس کے مجرم پر ہاتھ نہ ڈالیں۔۔۔کسی فرضی مجرم کو ضرور گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیں۔۔۔تاکہ کاغذات کا پیٹ بھرتا رہے۔۔۔اور کسی مجرم کا جیل جانا ہمارے مفاد میں ہو گا تو اس کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں کہا کریں گے"۔

"کیا مطلب۔۔۔آپ چاہتے ہیں، میں آپ کا ملازم بن جاؤں۔۔۔حکومت مجھے ایک کیس سونپے تو میں پہلے آپ کی

منظوری لوں۔۔۔کہ مجھے یہ کیس حل کرنا ہے یا نہیں‘‘۔

’’جی اکثر پولیس کے افیسرز نے ہم سے اس قسم کے معاہدے کر رکھے ہیں‘‘۔

’’اور تم مجھے بھی ان میں شامل کرنا چاہتے ہو‘‘۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

ہاں! ارادہ تو یہی ہے۔۔۔آپ صرف ہاں کر دیں۔۔۔باقی کام ہم کرلیں گے۔

’’اور باقی کام رہ کیا جائے گا۔۔۔جو تم کروں گے۔۔۔صرف یہی نا کہ چیک مجھے دے جاؤ گے۔۔۔ویسے میں ایک بات کہتا ہوں۔۔۔آپ اپنی کیا قیمت لینا پسند کریں گے‘‘۔

’’کیا مطلب؟‘‘نوجوان پہلی بار اچھلا۔

’’ہاں! آپ اپنا کیا لیتے ہیں۔۔۔کیا میں آپ کی خدمت میں ایک سادہ چیک پیش کروں‘‘۔

''میں خود کو فروخت کرنے پر تیار نہیں''۔وہ مسکرایا۔۔غصے میں اب بھی نہیں آیا تھا۔

''اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ایسا کر سکتا ہوں''

''کوشش تو کی جانی چاہیے۔۔۔اور وہ میں نے کی ہے۔۔۔اب میں اپنی ناکامی کی رپورٹ اپنے باس کو دوں گا۔۔۔یقین کریں کہ وہ ذرا بھی برا نہیں مانے گا۔۔۔نہ مجھے برا بھلا کہے گا''۔

''مان لیا۔۔آپ کے باس کا نام کیا ہے؟''

''افسوس یہ بات مجھے معلوم نہیں''۔

''خیر۔۔۔آپ کو رہا کروانے کے لئے تو اسے سامنے آنا ہی ہوگا''۔

''رہا کروانے کے لئے۔۔۔تو آپ مجھے گرفتار کر رہے ہیں''۔وہ بھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔انسپکٹر جمشید پرسکون انداز میں بیٹھے رہے۔

''میں جا رہا ہوں۔۔۔روکنے کی کوشش کی تو نتیجہ بڑا ہولناک ہو گا۔۔۔میں وہ چیز نہیں جسے روکا جا سکے''۔

''جائیے صاحب۔۔۔آپ کو جب روکا ہی نہیں جا سکتا تو میں کیا کروں گا روک کر''۔انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''پھر ملیں گے۔۔۔آپ ہماری پیش کش پر غور کرتے رہئے گا۔۔۔شاید کسی وقت آپ کا پروگرام بن جائے''۔

''اچھی بات ہے۔۔جیل میں آ کر بتا دوں گا''۔

''ج۔۔۔جیل۔۔۔کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔میں وہ نہیں جسے کوئی جیل میں رکھ سکے''۔

''پہلے میں نے سوچا تھا۔۔۔تمہیں حوالات میں رکھوں گا۔۔۔لیکن تمہاری باتیں سن کر سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ براہ راست تمہیں جیل پہنچا دیا جائے۔۔۔تا کہ آٹے دال کا بھاؤ تو معلوم

ہو۔۔۔تم لوگوں کو خریدتے پھرتے ہو۔۔۔اب ذرا اپنے دام لگوانا''۔وہ مسکرائے۔

''میری قیمت نہیں چکا سکو گے انسپکٹر۔۔۔میں بہت مہنگا ہوں۔۔۔نہ تم مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔۔۔نہ حوالات یا جیل میں رکھ سکتے ہو۔۔۔اگر یقین نہیں تو اٹھ کر تجربہ کر لیں۔۔۔۔مجھ سے دو دو ہاتھ کر لیں۔۔۔چھٹی کا دودھ نہ یاد دلایا تو نام۔۔۔''وہ کہتے کہتے رک گیا۔۔۔شاید بھول میں نام بتانے لگا تھا۔

''ہاں ہاں۔۔۔اگر تم نے مجھے چھٹی کا دودھ یاد نہ دلا دیا تو کیا نام نہیں تمہارا؟''وہ مسکرائے۔

''بس اب میں اپنا نام تو نہیں بتاؤں گا۔۔۔ہاں میرے کام ضرور آپ دیکھیں گے''۔یہ کہہ کر وہ تیر کی طرح باہر نکل گیا۔

انسپکٹر جمشید نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔۔۔بس بیٹھے

مسکراتے رہے۔۔۔چند منٹ بعد سادہ لباس والے اندر داخل ہوئے۔۔۔وہ نوجوان ان کی گرفت میں تھا۔

''ان صاحب کو جیل کی سپیشل کوٹھری میں پہنچا دیں۔۔۔بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے''۔

''وہ تو میں اب بھی کروں گا۔۔۔اور وہ یہ کہ آپ کی جیل کی سلاخیں مجھے اپنے اندر نہیں روک سکیں گی''۔ اس نے ہنس کر کہا۔

''خیر بھئی۔۔۔دیکھیں گے۔۔۔فی الحال تو تم جاؤ نا''۔

عین اس لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔۔۔انہوں نے ریسیور اٹھایا اور پھر دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔



سنگین مسئلہ:

گرتے ہی وہ اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔۔۔اسے اس قدر تیزی

سے اٹھتے دیکھ کر محمود، فاروق اور فرزانہ حیرت میں ڈوب گئے۔۔۔ادھر وہ مسکرایا۔

''شکریہ! میں نے برا نہیں مانا۔۔۔میں جا رہا ہوں''۔

''جانے کی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔۔۔کچھ دیر تو ٹھہریں۔۔۔آپ سے چند باتیں تو کر لیں''۔

''اب میرے پاس وقت نہیں ہے''۔اس نے کہا۔

''کیا صرف اس لئے کہ اب ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے''۔

''آپ کچھ بھی سمجھیں''۔یہ کہہ کر اس نے بیرونی دروازے کی طرف ایک چھلانگ لگائی۔۔۔لیکن فرزانہ اس سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔۔۔اس کے پاؤں کی ٹھوکر اس کے پیٹ میں لگی۔۔۔وہ آگے کو جھک گیا۔۔۔فاروق نے اس کی کمر پر چھلانگ لگائی۔۔۔تو وہ دھپ سے فرش پر آ رہا۔۔۔لیکن ایک بار پھر وہ حیران رہ

گئے۔۔۔

کیونکہ وہ پھر ان کے سامنے ڈٹا کھڑا تھا۔

''تھک جاؤ گے بھئی۔۔۔زیادہ اچھل کود نہ کرو۔۔۔میرا تو کچھ نہیں۔۔۔میں تو عادی ہوں اس قسم کے کھیلوں کا''۔اس نے ہنس کر کہا۔

''اگر تم عادی ہو تو کیا ہم غیر عادی ہیں''۔فاروق نے منہ بنایا۔۔۔ محمود اور فرزانہ مسکرانے لگے۔

''میں جا رہا ہوں۔۔۔روک سکتے ہو تو روک لو''۔یہ کہہ کر اس نے دوڑ لگا دی۔۔۔محمود نے بھی دوڑ لگائی اور اس سے پہلے بیرونی دروازے تک پہنچ گیا۔۔۔وہ اسے دیکھ کر رکا۔

''میں چاہتا تھا کہ۔۔۔آپ کو کوئی نقصان نہ ہو۔۔۔لیکن آپ نقصان اٹھانے پر تل گئے ہیں''۔یہ کہتے ہوئے اس نے پنڈالی میں

اڑسا ہوا خنجر نکال لیا۔

''ارے باپ رے۔۔۔اب خنجر پر اترائے''۔فاروق بوکھلا اٹھا۔

''اب اگر تم نے راستے میں آنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا''۔

''ہمارے نزدیک تو پہلے بھی آپ سے برا کوئی نہیں۔۔۔ایک اللہ کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو۔۔اس سے بڑھ کر بری بات کیا ہو گی''۔

''اور آپ کے ملک میں جو قبروں کو پوجا جاتا ہے۔۔۔کیا یہ بھی بتوں کو پوجنا نہیں ہے''۔

''ہاں! یہ بھی بتوں ہی پوجنا ہی ہے۔۔۔ہم ایسے لوگوں میں سے نہیں جو قبروں کی مٹی چاٹتے پھرتے ہیں۔۔۔تم اپنی بات کرو۔۔۔ تم تو ہندو ہو نا۔۔۔بتوں کو پوجتے ہو نا''۔

''ہاں! میں بتوں کی پوجا کرتا ہوں۔۔۔اور اب جا رہا ہوں''۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق اس کی کمر سے ٹکرایا۔۔۔وہ اوندھے منہ گرا ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

''ارے! کیا ہو گیا ہے۔۔۔چیخ کیوں پڑے۔۔۔تم تو بہت بہادر ہو''۔فاروق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہاں! میں بہت بہادر ہوں اور تم لوگوں کو تگنی کا ناچ نچا کر رہوں گا۔۔۔ناکوں چنے نہ چبوا دیئے تو میرا نام بھی۔۔۔مم۔۔۔مگر نہیں۔۔۔میں اپنا نام تم لوگوں کو کیسے بتا سکتا ہوں۔۔۔ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔۔۔میں تم لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دوں گا۔۔۔تمہاری چٹنی بنا دوں گا۔۔۔آٹے دال کا بھاؤ۔۔۔''

''بس بس۔۔۔کافی ہے۔شاید تم محاورات کی ادائیگی میں ہم سے بھی دو ہاتھ آگے ہو''۔فاروق نے منہ بنایا۔

''میں ہر معاملے میں تم سے دو ہاتھ آگے ہوں'' اس نے کہا۔

''خیر بھئی۔۔۔دیکھ لیتے ہیں۔۔۔اب ہم بھی ذرا باقاعدہ مقابلہ کریں گے تم سے۔۔ابھی تک ہم غیر سنجیدہ تھے''۔

''اوہو اچھا۔۔۔خیر اب تم سنجیدہ لڑائی لڑ کر دیکھ لو۔۔اس طرح اور منہ کی کھاؤ گے''۔

''ابھی تک تو ہم نے منہ کی کھائی نہیں۔۔۔نہ ہاتھ پیر کی کھائی ہے''۔

''خیر۔۔کوئی بات نہیں''۔اس نے کہا اور باقاعدہ لڑنے کے انداز میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔۔۔ایسے میں ایک آواز ابھری۔

''یہ کیا ہو رہا ہے''۔

وہ سب چونک کر آواز کی طرف مڑے۔۔۔انہوں نے دیکھا لمبے قد اور بھورے بالوں والا ایک آدمی کھڑا ان سب کو باری باری گھور رہا تھا۔

''ڈیڈی۔۔۔آپ۔۔۔اچھا ہوا آپ آ گئے۔۔۔دیکھئے یہاں کس قدر سنگین مسئلہ درپیش ہے''۔ شازیہ نے جلدی جلدی کہا۔

''سنگین مسئلہ۔۔۔کیا مطلب۔۔۔اور یہ کرامت اس طرح کیوں کھڑا ہے؟''

''یہ کرامت نہیں ڈیڈی''۔شازیہ نے منہ بنایا۔

''کیا کہا۔۔۔یہ کرامت نہیں ہے۔تو پھر یہ کون ہے''۔فیاض شیرازی نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ ایک ہندو ہے''۔

''نن نہیں''۔وہ اچھل پڑے۔۔۔ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔۔۔جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔

''آپ۔۔۔آپ کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔ایک ہندو سے اس قدر ڈرنے لگے؟''محمود نے جھلا کر کہا۔

"تت۔۔۔تم نہیں جانتے۔۔۔اگر یہ ہندو ہے تو یہ بہت غلط بات ہے"۔

"گویا آپ کو یہ بات قطعاً معلوم نہیں تھی کہ یہ شخص ہندو ہے۔محمود نے منہ بنایا۔

"نہیں۔۔۔بالکل نہیں۔۔۔میں کسی ہندو کو ملازم رکھ ہی نہیں سکتا۔۔۔مجھے ہندوؤں سے نفرت ہے۔۔۔شدید نفرت"۔انہوں نے جل کر کہا۔

"تب پھر آپ نے اس شخص کو ملازمت کس طرح دے دی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی میرے کسی دوست نے سفارش کی تھی۔۔۔اور دوسری بات یہ کہ میرا ملازم ملازمت چھوڑ کر چلا گیا تھا۔۔۔مجھے شدید ضرورت تھی۔۔۔لہٰذا میں نے کچھ نہ پوچھا۔۔۔اور اسے ملازم رکھ لیا"۔

''اس کی سفارش کس نے کی تھی؟'' محمود نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ تو اب مجھے یاد نہیں۔۔۔سوچنا پڑے گا''۔

''تو پھر مہربانی فرما کر جلدی سے سوچ لیں اور ہمیں یہ بھی بتا دیں کہ آپ ہندوؤں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں؟''

''پہلے مجھے یہ سوچنے دیں۔۔۔کہ سفارش''۔

''ارے ارے۔۔۔وہ نکلا جا رہا ہے'' فرزانہ چلائی۔

کرامت نے بے تحاشا دوڑ لگا دی تھی۔۔۔محمود اور فاروق سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اسے جا لیا۔۔۔تینوں دھڑام سے گرے۔۔۔ان کے پیچھے فرزانہ تھی۔۔۔وہ اگر خود کو سنبھال نہ لیتی تو ان کے اوپر گرتی۔۔۔خود کو گرنے سے بچاتے ہوئے اس نے کرامت کی ایک ٹانگ کو پکڑ لیا۔

''بس! اب تم اسے چھوڑ کر اٹھ جاؤ۔۔۔میرا خیال ہے' اس کے

ہاتھ پیر باندھ دینے چاہیئیں ''

ہاں! یہ ٹھیک رہے گا''۔

اور پھر اسے باندھ دیا گیا۔

''میرا خیال ہے۔۔۔آپ اب تک سوچ چکے ہوں گے''۔

''ہاں! اس شخص کی سفارش میرے ایک دوست نادم سیلانی نے کی تھی''۔

''نادم سیلانی۔۔۔یہ کیا نام ہوا؟''

''شاعر ہیں۔۔۔ہمارے ملک کے بہت مشہور و معروف شاعر اور میرے دوست۔۔۔اکثر میرے پاس آتے رہتے ہیں''۔

''تو اس شخص کی سفارش کرنے کیلئے بھی وہ خود آئے تھے؟''

''جی نہیں۔۔فون کیا تھا''۔

''اوہ اچھا۔۔مہربانی فرما کر آپ انہیں فون کریں''۔

فیاض شیرازی نے فون پر نمبر ملایا اور سلسلہ ملنے پر بولے۔

''جناب نادم۔۔۔کیا حال ہیں۔۔۔جی۔۔۔جی ہاں۔۔۔آپ کا
خادم فیاض شرازی بات کر رہا ہوں''۔

دوسری طرف کی بات سن کر وہ بولے۔

''آپ نے ایک ماہ پہلے ایک شخص کی سفارش کی تھی۔۔۔ملازم رکھنے
کے لئے''۔یہ کہہ کر وہ رکے اور پھر دوسری طرف کی بات سن کر
بولے۔

''کیا فرمایا۔۔۔آپ نے کسی آدمی کی سفارش نہیں کی تھی؟''وہ
حیران ہو کر بولے اور پھر دوسری طرف کی بات سنتے رہے۔۔۔
آخر انہوں نے فون کا ریسور رکھ دیا۔

''عجیب بات ہے۔۔۔نادم سیلانی کا کہنا ہے کہ اس نے کسی آدمی کی
سفارش نہیں کی۔۔۔جب کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔۔۔فون

انہوں نے ہی کیا تھا“۔

”یہ تو معاملہ گڑ بڑ ہو گیا۔۔۔اب نادم صاحب سے بھی ملاقات کرنا ہو گی“۔

”تو پھر کر لیجئے ملاقات“۔فیاض شیرازی نے کہا۔

”اور اس کا کیا کرنا ہے“۔فاروق نے کرامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ صاحب بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔۔۔تاکہ نادم صاحب انہیں دیکھ کر فیصلہ دیں“۔

”ہوں ٹھیک ہے“۔فاروق نے کہا۔

اب محمود نے دفتر فون کیا۔۔۔دوسری طرف سے توحید احمد نے اٹھا لیا۔

”توحید صاحب۔۔۔آپ اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ فیاض

شیرازی کی کوٹھی آجائیں‘‘۔

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بولا۔

’’اب کرامت صاحب کو کمرہ امتحان تک لے جانا پڑے گا‘‘۔ کمرۂ امتحان‘‘۔ فیاض شیرازی بولے۔

وہاں اچھے اچھے سچ بولنے لگ جاتے ہیں۔۔۔ہم جاننا چاہتے ہیں۔۔۔’’اس شخص نے فیاض صاحب کے گھر ملازمت کس نیت سے حاصل کی‘‘۔

’’لیکن میرا جرم کیا ہے۔۔۔ابھی تک میں نے صرف ملازمت کی ہے۔۔۔ مجھے کس جرم میں گرفتار کیا گیا؟‘‘ کرامت نے جل کر کہا۔

’’یہ بھی جرم ہے کہ ایک ہندو آدمی خود کو مسلمان ظاہر کر کے کہیں ملازمت کرے۔۔۔ یہ چار سو بیس کا کیس بنتا ہے نا۔۔۔لیکن اس سے پہلے کہ ہم اس شخص کو کمرہ امتحان میں لے جائیں۔۔۔فیاض

صاحب۔۔۔آپ بتائیں۔۔۔آپ ہندوؤں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں؟''

''میرے خوابوں میں بس ہندو ہی آتے ہیں۔۔۔بڑے خوفناک خواب ہندوؤں کے دیکھتا ہوں۔۔۔وہ مجھے قتل کرنے کے لئے دوڑتے ہیں۔۔۔میں ان کے آگے آگے دوڑتا ہوں۔۔۔دوڑتا دوڑتا بے دم ہو جاتا ہوں تو ہندو چھرے لہراتے میرے بالکل نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔۔۔اور اس کے فوراً بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے۔۔۔ایک مدت سے میں اس قسم کے خواب دیکھ رہا ہوں۔۔۔یہی وجہ ہے۔۔۔جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے گھر میں ایک ہندو نے مسلمان بن کر ملازمت کر لی ہے تو میں خوف زدہ ہو گیا تھا''۔

''اوہ اچھا۔۔۔آپ کا خوف زدہ ہونا سمجھ میں آ گیا''۔

اچانک دھم کی آواز سنائی دی۔۔۔وہ کرامت کی طرف مڑے اور پھر

انہیں ایک زبردست جھٹکا لگا۔



تصور:

کرامت کا جسم بالکل ساکت تھا۔۔۔منہ سے نکلنے والے نیلے رنگ کے جھاگ سے انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس نے زہر کھا لیا ہے۔

''یہ تو گیا''۔محمود کے منہ سے نکلا۔

''کک۔۔۔کیا مطلب؟''فیاض شیرازی چلائے۔

''اس نے زہر کھا لیا ہے۔۔۔تا کہ ہم اس کے باس کا راز نہ اگلوا سکیں۔۔۔اور اب آپ کے دوست نادم سیلانی کی زندگی کو خطرہ ہے''۔

محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''کیا کہا''۔فیاض شیرازی نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

''دوڑو'' فرزانہ چلائی۔

انہوں نے کار کی طرف دوڑ لگا دی' فیاض شیرازی اور دوسرے ارے ارے کرتے رہ گئے۔۔۔ پھر اچانک محمود نے بریک لگا دیے۔۔۔ چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' فاروق نے منہ بنایا۔

''ہم احمق ہیں'' ۔محمود بولا۔

''یہ بات تم صرف اپنے بارے میں شوق سے کہہ سکتے ہو ہمارے بارے میں ہرگز نہیں۔۔۔ کیوں فرزانہ؟''

''بالکل۔۔۔ بات دل کو لگتی کہی'' ۔فرزانہ نے اس کی تائید کی۔

''میں نے کہا۔۔۔ ہم احمق ہیں۔۔۔ تم پہلے اس بات کا ثبوت مانگو'' محمود نے جھلا کر کہا۔

''ارے ہاں۔۔۔ واقعی یہ بات بھی وزنی ہے''۔

''تو پھر دو ثبوت اور اگر نہ دے سکے۔۔۔تو سمجھ لو کہ۔۔۔احمق صرف تم ہو۔۔۔ہم نہیں''۔فاروق نے فیصلہ سنایا۔

''بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ہمارے احمق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے نادم سیلانی کا پتہ پوچھا نہیں اور بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔ارے بھئی آخر ہم جائیں گے کہاں؟''

''دھت تیرے کی۔۔۔یہ تو ہم واقعی احمق ثابت ہوگئے۔۔۔کیوں فرزانہ؟''

محمود نے منہ بنایا اور کار واپس موڑلی۔۔۔اسی رفتار سے واپس پہنچے۔

''ہائیں۔۔۔آپ اس قدر واپس آگئے۔۔۔کیا رہا نادم سیلانی کا۔۔۔وہ خیریت سے تو ہے نا''۔فیاج شیرازی نے حیران ہوکر پوچھا۔

ہم راستے سے لوٹ آئے ہیں۔

”اوہ اس کا مطلب ہے۔۔۔آپ لوگوں کو غلط خیال آیا تھا“۔

فیاض شیرازی نے خوش ہو کر کہا۔

”نہیں۔۔۔خیال درست آیا تھا۔۔۔طریقہ ہم نے غلط اختیار کیا اور وہ یہ کہ نادم صاحب کا پتا پوچھے بغیر ہی دوڑ پڑے۔۔۔اب جلدی سے بتائیں۔۔۔نادم سیلانی کہاں رہتے ہیں“۔

”کک۔۔۔کیا واقعی۔۔۔ان کی جان کو خطرہ ہے“۔

”ہاں بالکل۔۔۔اس ہندو کی موت یہی اشارہ کر رہی ہے“۔

”جالی آباد ۱۰۹ نمبر کوٹھی۔۔۔کیا میں آپ لوگوں کے ساتھ چل سکتا ہوں۔۔۔وہ میرا بہت اچھا دوست ہے“۔وہ بولے۔

”آجائیے پھر آپ بھی۔۔۔توحید صاحب آپ بھی آجائیں“۔

انہیں ساتھ لے کر وہ جالی آباد پہنچے۔۔۔دروازے پر دستک دی گئی تو

ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔۔۔فیاض شیرازی کو دیکھ کر وہ فوراً بولا۔

''اوہ آپ ہیں شیرازی صاحب۔۔۔اپنی کار میں نہیں ہیں نا۔۔۔اس لئے فوراً نہ جان سکا۔۔۔آیئے''۔

وہ نیچے اتر آئے۔۔۔ملازم انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔۔۔

''نادم صاحب کہاں ہیں؟''فیاض شیرازی نے جلدی سے کہا۔

''وہ اپنے کمرے میں ہیں''۔وہ بولا۔

''وہ ٹھیک تو ہیں؟''شیرازی نے پوچھا۔

''کیوں انہیں کیا ہوا؟''

''اگر انہیں کچھ نہیں ہوا تو یہ بات خوشی کی ہے۔۔۔ہمیں فوراً ان کے پاس لے چلو''۔

''آپ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھئے نا۔۔۔میں انہیں اطلاع کر دیتا

تھا۔۔۔اب چونکہ یہ ایک معمولی سی بات تھی' لہٰذا فیاض صاحب اول تو اس بات کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ پھر نادم سیلانی صاحب سے یہ ذکر آیا۔۔۔ورنہ یہ بات اس وقت بھی سامنے آجاتی۔۔۔کہ انہوں نے سفارش نہیں کی''۔شاید ایسا ہی ہو۔۔۔

تب ہمارا یہاں آنا بے کار گیا۔۔۔کیا ہم چلے جائیں؟''

''جیسے آپ کی مرضی۔۔۔لیکن آپ لوگ ان کے آنے سے پہلے پہلے نکل جائیں۔۔۔ورنہ انہیں بتانا پڑے گا کہ آپ لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟''

''ٹھیک ہے۔۔۔ہم جا رہے ہیں''۔یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا' لیکن اسی وقت قدموں کی آواز ابھری اور ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔۔۔وہ بہت دبلا پتلا تھا۔

''آپ لوگ جا رہے ہیں''۔

''جی ہاں۔۔۔پھر ملیں گے''۔محمود مسکرایا۔

''پھر ملیں گے۔۔۔پھر کب؟''

''قیامت کو ملیں گے''۔فاروق نے فوراً کہا۔

''بہت خوب!''

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہو گا کوئی دن اور

نادم صاحب نے شعر پڑھا۔

''اچھا شعر ہے۔۔۔ہم تو بس یونہی۔۔۔آ گئے تھے۔۔۔فیاض صاحب کے ساتھ''۔

''جب آ گئے تو پھر تشریف بھی رکھیں۔۔۔فیاض صاحب۔۔یہ آپ کے نئے دوست ہیں کون۔۔۔لیکن یہ آپ سے زیادہ شازیہ بیٹی کے دوست لگتے ہیں''۔

''اصل بات یہی ہے''۔فیاض صاحب بولے۔

''ارے ہاں۔۔۔وہ ملازم کی سفارش کا کیا چکر تھا؟''

''غالباً ایک یا ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے۔۔۔آپ کا فون آیا تھا''۔

''م۔۔۔میرا نہیں۔۔۔کسی اور کا۔۔۔میں نے اس بارے میں کوئی فون ہرگز نہیں کیا''۔

''چلئے خیر یہی سہی۔۔۔لیکن آواز بالکل آپ کی تھی۔۔۔شاید وہ شخص آواز بدلے کا ماہر تھا۔۔۔اس نے بالکل آپ کی آواز میں مجھ سے بات کی تھی اور کہا تھا کہ ایک شخص کرامت کو بھیج رہا ہے۔۔۔گھریلو ملازم کے طور پر۔۔۔سو میں نے اسے رکھ لیا۔۔۔لیکن اب معلوم ہوا کہ اس کہ سفارش آپ نے نہیں کی تھی''۔

''یہ۔۔۔یہ بات تو آپ اس سے بھی پوچھ سکتے ہیں؟''

''ہم نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی تھی۔۔۔لیکن اس نے''۔

عین اس وقت ایک لڑکی اس کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

”ڈیڈی۔۔۔کیوں جھوٹ بول کر اپنی آخرت خراب کرتے ہیں۔۔۔آخر آپ کو بتا دینے میں کیا حرج ہے کہ اس کی سفارش آپ نے ہی کی تھی۔۔۔آپ انہیں بتا دیں۔۔۔اصل بات۔۔۔کیوں اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے“۔

”اف۔۔۔مشرمانہ۔۔۔تم نے یہ بات بھی بتا دی۔۔۔میری کوئی بات تو راز رہنے دیا کرو“۔نادم نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔اس شخص کی سفارش آپ نے ہی کی تھی؟“

محمود حیرت زدہ انداز میں بولا۔

اب سب کے چہروں پر حیرت نظر آنے لگی۔

”ہاں۔۔۔کی تھی“۔نادم نے نادم ہو کر کہا۔

”تب پھر آپ کو اس بات سے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

''اس لئے کہ چند روز بعد ہی مجھے کسی نے فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہندو ہے' دراصل وہ میرے پاس روتا گڑگڑاتا ہوا آیا تھا۔۔۔اس لئے اس پر ترس آ گیا۔۔۔ان دنوں مجھے بھی خود ملازم کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔البتہ انہیں تھی۔۔۔لہٰذا میں نے انہیں فون کر دیا۔۔۔چند روز بعد کسی نامعلوم آدمی نے مجھے فون کر کے بتایا کہ جس کی آپ نے سفارش کی ہے۔۔۔اس کا نام کرامت نہیں۔۔۔ راجن ہے۔۔۔اور وہ ہندو ہے۔۔۔میں یہ سن کر پریشان ہو گیا۔۔۔لیکن اس بات کا ذکر فیاض سے نہ کر سکا۔۔۔اس لئے کہ یہ ہندوؤں سے بہت خوفزدہ ہیں۔۔۔میں نے سوچا۔۔۔یہ مجھ پر بگڑیں گے۔۔۔بلکہ مجھ سے بدگمان ہو جائیں گیا''

''اوہ۔۔۔تو یہ بات تھی۔۔۔آپ پہلے بتا دیتے تو ہم ادھر نہ دوڑے آتے۔۔۔آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جب ہمیں پتا چلا' وہ

ہندو ہے۔۔۔تو اس سے پوچھ گچھ شروع کی گئی۔۔۔لیکن اس نے خودکشی کرلی“۔

”خش۔۔۔خشی کرلی۔۔۔لل۔۔۔لیکن کیسے؟“ نادم سیلانی کانپ گیا۔

”جناب۔۔۔خش خشی نہیں۔۔۔خودکشی“۔فاروق نے منہ بنایا۔

”ہاں ہاں۔۔۔وہی۔۔۔لیکن کیسے کرلی“۔

”اسکے پاس زہر تھا۔۔۔شاید کیپسول کی صورت میں۔۔۔بس اس نے منہ میں رکھ لیا“۔

”لیکن۔۔۔اتنی سی بات پر کوئی خودکشی کرسکتا ہے بھلا“۔

”یہی عجیب بات ہے“۔

”مجھے بہت افسوس ہے فیاض۔۔۔میں نے ایک ہندو کی سفارش کر ڈالی۔۔۔آئندہ اچھی طرح تحقیقات کر کے کوئی ایسا کام کروں گا“۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔لیکن۔۔۔الجھن تو یہ ہے کہ اسے خودکشی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ہم اس پر غور کریں گے۔۔۔اور انشاءاللہ جلد کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے"۔

"ارے ہاں! آپ نے ان کا تعارف تو کروایا ہی نہیں"۔

"یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔۔۔انسپکٹر جمشید کے بچے"۔

"اوہو اچھا"۔اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"میرا خیال ہے۔۔۔اب ہم چلیں گے"۔محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔میں تو اب ذرا گپ شپ لگاؤں گا ان کے ساتھ"۔فیاض شیرازی نے کہا۔

"ضرور۔۔۔کیوں نہیں"۔محمود نے کہا۔

پھر وہ باہر نکل آئے۔

''اب کیا کریں۔۔۔اس کیس میں تو ہمیں مکمل طور پر ناکامی ہو گئی''۔فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔اس ہندو کی خودکشی نے تو خطرے کی گھنٹی بجا ہی دی ہے۔۔۔اب ہمیں دلاور ساسانی سے بھی ملاقات کرنے چاہیے''۔

''بالکل ٹھیک ہے۔۔۔لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اسے کہیں گے کیا؟''

''ان دونوں آدمیوں کی تصاویر ہمارے پاس ہیں۔۔۔لہٰذا پریشانی کیسی''۔محمود مسکرایا۔

وہ دلاور ساسانی کی کوٹھی کے سامنے پہنچے۔۔۔توحید احمد کو انہوں نے فارغ کر دیا تھا۔۔۔دلاور ساسانی کی کوٹھی بہت بڑی اور شاندار تھی۔۔۔باوردی ملازم چوکس کھڑے تھے۔۔۔انہوں نے اپنے

کارڈ انہیں دیے۔۔۔کارڈ اندر بھیج دیے گئے۔۔۔لیکن وہ وہیں کھڑے رہے۔۔۔انہیں بیٹھنے کے لئے نہیں کہا گیا۔

''عجیب بداخلاق لوگ ہیں۔۔۔یہاں بیٹھنے کے لئے کوئی کمرہ نہیں بنا سکتے تھے'' فاروق بڑبڑایا۔

''یہ لوگ اپنی اکڑفوں میں رہتے ہیں۔۔۔ان کے دروازے پر کھڑے کتنے لوگ ملاقات کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔اس سے یہ خوش ہوتے' ہیں فخر محسوس کرتے ہیں۔۔۔ورنہ جہاں اتنی بڑی کوٹھی بنوائی۔۔۔گیٹ کیساتھ ایک کمرہ برائے انتظار بھی نہیں بنوایا جاسکتا تھا''۔محمود نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

تین منٹ گزر گئے۔۔تب کہیں جا کران سے کیا گیا۔

''آیئے جناب! آپ کو سا سانی صاحب تک لے چلوں'' ملازم نے ان سے کہا۔

وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئے۔۔۔ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر ملازم رک گیا۔۔۔اس نے دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک چیخ گونج گئی۔۔۔وہ چونک اٹھے۔

''یہ۔۔۔یہ چیخ کیسی تھی؟''

''پتا نہیں۔۔۔پہلی بار سنی ہے۔۔۔شاید کوئی بچہ چلایا تھا''۔یہ کہہ کر ملازم نے دستک دے ڈالی۔

''آ جائیں۔۔۔بہادر خان تم جاؤ''۔

''او کے سر''۔اس نے کہا اور انہیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے واپس مڑ گیا۔۔۔اس کے چہرے پر انہوں نے چیخ کے وقت عجیب سی الجھن دیکھی تھی۔۔۔آخر وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔شاہانہ کرسی پر آبنوس کی بھاری میز کے پیچھے ایک موٹا تازہ شخص بیٹھا تھا۔۔۔اس کے منہ میں موٹا سا ہی سگار تھا۔۔۔چند سیکنڈ تک وہ

انہیں گھورتا رہا' ایسے میں محمود نے کہا۔

''چیخ کی آواز آپ نے سنی جناب؟''

''ہاں سنی ہے۔۔۔اس کوٹھی میں بس یہی بات خراب ہے''۔ اس نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

''آپ لوگ بیٹھیے۔۔۔کیا آپ اس چیخ پر بات کرنے آئے تھے؟ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''جی نہیں۔۔۔بات تو ہم کوئی اور کرنے آئے تھے''۔

''تب وہ پھر کریں نا۔۔۔اتنے تو مشہور آدمی کے بچے ہیں آپ لوگ۔۔۔اور مارے مارے پھر رہے ہیں۔۔۔آخر کیوں؟'' اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

''مارے مارے نہیں تو جناب۔۔۔مارے مارے کیوں پھرتے

ہم؟''

''تو اور کیا ہے۔۔۔خیر پہلے یہ فرمائیں۔۔۔آپ کیسے آئے ہیں؟''

''تو آپ اس چیخ کی وضاحت نہیں کریں گے''۔

''اس کوٹھی میں کوئی بدروح آگھسی ہے۔۔۔بس دن رات چیختی رہتی ہے۔۔۔لیکن میں کوٹھی خالی کر کے بھاگ جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔۔۔میں بزدل نہیں ہوں۔۔۔میں نے اس پر پیسے لگائے ہیں''۔

''ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔۔۔لیکن آپ اس بدروح سے نجات تو حاصل کر سکتے ہیں''۔

''کک۔۔۔کیسے؟'' اس نے چونک کر کہا۔

''یہ کام تو آپ کا ہم کر سکتے ہیں

''ہائیں۔۔۔تو کیا آپ لوگ یہ کام بھی کرتے ہیں؟''

''اور کیا۔۔۔فی الحال آپ یہ تصور دیکھئے''۔

جونہی تصویر اس کے سامنے رکھی گئی۔۔۔وہ زور سے اچھلا۔



گڑبڑ:

''یہ۔۔۔یہ۔۔۔یہ کیا ہے۔۔۔یہ کن کی تصویر ہے؟''

''یہ آپ بتائیں''۔محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''مم۔۔۔میں بتاؤں۔۔۔کیا مطلب' میں کیسے بتاؤں''۔اس نے حیران ہو کر کہا۔

''ہم نے ان دونوں کو آپکی کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا ہے''۔

محمود نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں ضرور دیکھا ہو گا' میں کب کہتا ہوں۔۔۔یہاں نہیں آئے۔۔۔بلکہ یہ تو کئی بار آئے ہیں۔۔۔لیکن۔۔۔میں انہیں جانتا تک نہیں''۔

اس نے جلدی جلدی کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”ہو سکتا ہے۔۔۔ بالکل ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ دونوں بلیک میلر قسم کے لوگ ہیں۔۔۔ انہوں نے میرے خلاف اوٹ پٹانگ قسم کے ثبوت حاصل کر رکھے ہیں۔۔۔ بس ہر ماہ آتے ہیں۔۔۔ وہ ثبوت پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکی دے کر رقم وصول کرتے اور چلے جاتے ہیں۔۔۔ ہر ماہ آتے ہیں کم بخت“۔ اس نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

”کتنی رقم لے جاتے ہیں؟“

”ایک لاکھ روپے ماہانہ“۔

”اور آپ دے دیتے ہیں؟“

”تو میں اور کیا کروں۔۔۔ اگر وہ جھوٹے ثبوت پولیس کے ہاتھ لگ جائیں تو۔۔۔ پولیس تو کر دے گی میرا جینا حرام“۔

''لیکن عادل فیروز صاحب وفاقی وزیر آپ کے رشتے دار ہیں۔۔۔

آپ ان سے اس مسئلے میں مدد لے سکتے تھے''۔

''میں نے ان سے بات کی ہے۔۔۔لیکن ان کا کہنا ہے۔۔۔

عدالت میں ثبوت کو غلط ثابت کرنا ہوگا۔۔۔ورنہ وہ کچھ نہیں کر

سکتے''۔

''ان کی بات بھی معقول ہے''محمود نے کہا۔

''اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کے لئے یہ کام کر سکتے ہیں''۔

فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

''کیا مطلب۔۔۔کون سا کام؟''اس نے چونک کر کہا۔

''ثبوت اس سے حاصل کر کے ضائع کر دیں گے''۔

''کیا کہا۔۔۔یہ۔۔۔یہ کام آپ کر سکتے ہیں''۔

''ہاں کیوں نہیں۔۔۔ایسے ہی کام تو ہم کرتے رہتے ہیں''۔

''اگر آپ میرا یہ کام کر دیں۔۔۔میرا پیچھا ان سے چھڑا دیں تو میں حد درجہ شکر گزار ہوں گا اور آپ کو منہ مانگا انعام بھی دوں گا''۔

''چلیئے منظور ہے۔۔۔اب آپ منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہو جائیں''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔میں تیار ہوں''۔

''ان کے بارے میں آپ ہمیں کیا بتا سکتے ہیں؟''

''یہی تو مصیبت ہے''۔یہ کہتے ہوئے وہ میز پر آگے کو جھک آیا۔۔۔میز پر رکھے شیشے کے پیپر ویٹ کو اس نے زور سے گھما ڈالا۔۔۔جیسے اس بات پر اسے بہت غصہ ہو۔

''کیا مصیبت ہے؟''محمود بولا۔

''میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

''لیکن جناب۔۔۔یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''جب وہ آپ سے رقم وصول کرنے آتے ہیں تو کیا آپ نے بھی کسی کے ذریعے ان کا تعاقب کرانے کی کوشش نہیں کی ہو گی''۔

''نہیں! میں ایسا نہیں کر سکا۔۔۔ کیونکہ اس کام کے لئے بھی تو کسی کی خدمات حاصل کرنا پڑتیں۔۔۔ اس طرح ایک اور بلیک میلر پیدا ہو جاتا''۔

''ہوں! اور ہمیں جو آپ نے یہ بات بتا دی ہے''۔

''آپ لوگ کم از کم بلیک میلر نہیں ہو سکتے''۔ وہ پہلی بار مسکرایا۔

''اچھا خیر۔۔۔ ہم اب ان دونوں کو تلاش کر کے چھوڑیں گے اور آپ کا پیچھا ان سے چھڑا کر دم لیں گے''۔

''بہت بہت شکریہ۔۔۔ آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھو گا''۔

پہلے ہمیں کام تو کرنے دیں۔۔۔ شکریہ بعد میں ادا کر لیجئے گا۔

حیرت صرف یہ ہے کہ ان دونوں کو ہم نے کہیں دیکھا ہے۔۔۔اور یہ یاد نہیں آرہا کہ کہاں دیکھا ہے"۔

"اس سلسلے میں بھلا میں کیا مدد کر سکتا ہوں"۔

"خیر۔۔۔آپ فکر نہ کریں۔۔۔سارا کام ہم خود کریں گے ہمیں دراصل بلیک میلروں سے بہت نفرت ہے"۔محمود نے کہا۔

اور پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کم از کم میں ایک بات آپ لوگوں کو ضرور بتا سکتا ہوں" اس کی آواز نے ان کے قدم روک لئے۔۔۔وہ پھر ان کی طرف مڑے۔

"جی فرمائیے"۔تینوں ایک ساتھ بولے۔

"میری زندگی کا زیادہ حصہ ایک دور دراز کے شہر سلطان آباد میں گزرا ہے۔۔۔ان لوگوں کا تعلق بھی وہیں سے ہے۔۔۔کیونکہ انکے پاس جو ثبوت ہیں۔۔۔ان کا تعلق بھی سلطان آباد سے ہے"۔

''تب وہ ثبوت غلط کس طرح ہیں؟''

''وہ غلط ہیں۔۔۔لیکن اس شہر میں گھڑے گئے ہیں۔۔۔مثلاً میری کچھ تصاویر انکے پاس ہیں۔۔۔ان تصاویر میں مقامات اس شہر کے ہیں''۔

''اوہ اچھا! آپ وہاں رہتے کہاں تھے؟''

''ہارون پور کوٹھی نمبر ۱۱ے''۔

''ہوں۔۔۔اچھا''۔محمود یہ پتا نوٹ کر لیا۔۔۔پھر وہ باہر نکل آئے۔

''میرا خیال ہے۔۔۔ہم اپنے حصے کا کام کر چکے ہیں۔۔۔اور اب ہمیں گھر جا کر ابا جان کو رپورٹ دینی چاہیے۔۔۔تاکہ معاملے کو آگے بڑھایا جا سکے۔۔۔اس وقت تک وہ بھی ان دونوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر چکے ہوں گے''۔

محمود نے خیال ظاہر کیا۔

''ہوں ٹھیک ہے''۔ دونوں ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ گھر پہنچ گئے۔۔۔ دروازہ بیگم جمشید نے کھولا۔

''ابا جان کہاں چلے گئے؟''

''ایک عجیب بات ہوگئی''۔ وہ بولیں۔

''عجیب بات کیا مطلب؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''تم لوگوں کے جانے کے بعد ایک عجیب سا نوجوان ان سے ملاقات کرنے آیا تھا۔۔۔ اس نے ان سے کافی دیر ملاقات کی۔۔۔ پھر فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ فون سنتے ہی وہ اس نوجوان کو بھول کر باہر کی طرف دوڑ گئے''۔

''اور وہ نوجوان؟''

''سادہ لباس والے اس کے جانے سے پہلے ہی باہر پہنچ چکے تھے۔۔۔ لہٰذا انہوں نے اسے گرفت میں لے لیا۔۔۔ ظاہر ہے وہ

اب تک جیل میں پہنچ چکا ہو گا"۔

"جیل میں یا حوالات میں؟"

"جیل میں۔۔۔اس لئے کہ تمہارے ابا جان اسے براہ راست جیل بھیجنے کی بات کر رہے تھے۔۔۔باقی تم دفتر فون کر کے پوچھ لو"۔

"اور فون کس کا تھا۔۔۔ابا جان نے اسے جیل کیوں بھیجا؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں"۔

محمود نے بے تابانہ انداز میں دفتر کے نمبر ملائے۔۔۔ادھر سے توحید احمد کی آواز سنائی دی۔

"یس سر"

"محمود بات کر رہا ہوں۔۔۔اس نوجوان کا کیا بنا؟"

"وہ اب جیل میں ہے"۔

"اوہ اچھا۔۔۔اور ابا جان؟"

''فون آیا تھا کس کا۔۔۔بس وہ تیر کی طرح گھر سے نکل گئے''۔

''لیکن اس نوجوان کا جرم کیا ہے؟''

''انسپکٹر صاحب نے مجھے یہ نہیں بتایا''

''خیر۔۔۔یہ بات ہم ان سے پوچھ لیں گے۔۔۔شکریہ''۔یہ کہہ کر محمود نے فون بند کر دیا۔۔۔ایسے میں فرزانہ بولی۔

''ایک بات ذہن میں آئی ہے''

''کوئی انوکھی بات نہیں۔۔۔تمہارے ذہن میں تو باتیں ہی رہتی ہیں''۔فاروق نے منہ بنایا۔

''گویا تم فرزانہ سے یہ بھی نہیں پوچھو گے کہ کیا بات اس کے ذہن میں آئی ہے''۔محمود اس کی طرف مڑا۔

''نہیں! اس لئے کہ یہ خود ہی بتا دے گی۔۔۔ہمیں پوچھنے کی ضرورہی کیا ہے''۔فاروق مسکرایا۔

''دھت تیرے کی۔۔فرزانہ تم مجھے بتاؤ''۔

''ہاں ضرور کیوں نہیں۔۔۔خیال یہ آیا ہے کہ جند دو آدمیوں کو تم نے پارک میں دیکھا تھا۔۔۔اور یہ خیال کیا تھا کہ تم نے انہیں کہیں دیکھا ہے۔۔۔تو ہم اخبارات کی فائلیں کیوں نہ دیکھ لیں۔۔۔کیا خبر تم نے انہیں اخبارات میں دیکھا ہو''۔

''اگر ایسا ہوتا تو ان کی تصاویر دیکھ کر تم یہ بات محسوس کرتیں''۔ محمود نے کہا۔

''اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے لیکن اس میں ایک اور بات بھی ہے''۔ فرزانہ مسکرائی۔

''حد ہوگئی''۔فاروق نے منہ بنایا۔

''اوہو پہلے سن تو لو''۔''ہاں تو وہ ایک اور بات کیا ہے؟''

''ہوسکتا ہے۔۔۔ان تصاویر کے ساتھ لگی خبر میں مجھے کوئی دلچسپی

محسوس نہ ہوئی ہو۔ایسی حالت میں ان کی تصاویر میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں"۔

"خیر۔اگر تم کہتی ہو تو دیکھ لیتے ہیں اخبارات۔۔۔یوں بھی ہمارے پاس کرنے کو اور کوئی کام نہیں ہے"۔

"تو پھر چلو۔۔۔یہ کام کر گزرو"۔

وہ لائبریری میں آ گئے۔۔۔اخبارات کی فائلیں نیچے ڈھیر کر دی گئیں۔۔۔ان دونوں کی تصاویر سامنے رکھ لی گئیں۔۔۔اب آخبارات کے اوراق الٹے جانے لگے۔۔۔تصاویر ان کے ذہن میں بھی تھیں۔۔۔لہٰذا انہیں بار بار ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔وہ اخبارات کے اوراق الٹتے چلے گئے۔۔۔آخر کا ایک جگہ ان کی نظریں اٹک کر رہ گئیں۔

"اف مالک۔۔۔یہ دونوں تو۔۔۔پڑوسی دشمن ملک کے فوجی

ہیں۔۔۔گزشتہ جھڑپ میں گرفتار کیے گئے تھے۔۔۔اور اب تک جیل میں تھے۔۔اس کا مطلب ہے اب ان کی سزا ختم ہوگئی ہے"۔

"تب پھر۔۔۔ان کے بارے میں جیل سے معلوم ہو جائے گا۔۔۔آؤ چلیں"۔محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے چلو"۔فاروق بھی اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔جب کہ فرزانہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔

"کیوں!تم ساتھ نہیں چل رہی ہو کیا؟"

"ضرور چلوں گی۔۔۔لیکن تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا"۔وہ مسکرائی۔

"چلو اس پر غور تمہاری مدد سے کر لیتے ہیں" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"اگر یہ ہمارے دشمن پڑوسی ملک کے فوجی ہیں۔۔۔صاف الفاظ

میں کہتی ہوں۔۔۔اگر یہ شارجستان کے فوجی ہیں اور گزشتہ جھڑپ میں قید کر لئے گئے تھے اور اب ان کی سزا ختم ہو گئی ہے تو انہیں اس طرح رہا نہیں کیا جا سکتا۔۔۔فوجی قیدیوں کو براہ راست دشمن ملک کے حوالے کیا جاتا ہے۔۔۔یا پھر سرحد پر قیدیوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے''۔

''اوہاں۔۔۔بات بہت معقول ہے۔۔۔تب پھر یہ دونوں ہمارے شہر میں کیسے گھوم پھر رہے ہیں''۔

''اس کا مطلب ہے کہ یہ وہ نہیں ہیں فرزانہ مسکرائی۔

''غلط۔۔۔بالکل غلط۔۔۔تم نے ان تصاویر اور اخبارات کی تصاویر کا موازنہ نہیں کیا' بغور جائزہ نہیں لیا۔۔۔ان میں بال برابر بھی تو فرق نہیں ہے''۔

''تو پھر سن لو۔۔۔اگر یہ دونوں یہی ہیں۔۔۔جن کی خبر اخبارات

میں شائع ہوئی تھی۔۔۔اور اب یہ ہمارے شہر میں گھوم پھر رہے ہیں۔۔۔تو کوئی زبردست گڑبڑ ہے۔۔اور ہمیں جلد از جلد اس گڑبڑ کا سراغ لگا لینا چاہیے"۔فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"تو پھر آؤ چلیں"

وہ باہر نکل آئے اور کار میں بیٹھ کر جیل کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔ان کی کار کی رفتار تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔۔۔جونہی وہ جیل کے دروازے پر پہنچے۔۔۔ایک نئی حیرت ان کے سامنے آئی ان کی آنکھیں مارے حیرت پھیل گئیں۔



تحریر:

انسپکٹر جمشید نے اپنی کار ایک مکان کے سامنے روکی۔۔۔کار سے اترتے ہی وہ دروازے کی طرف دوڑے۔۔۔ساتھ میں انہوں نے

دروازے پر لگے نمبر کو بھی پڑھ لیا۔۔۔انہوں نے دروازے پر دباؤ ڈالا۔۔۔وہ اندر سے بند تھا۔۔۔وہ فوراً پیچھے اور تیزی سے دوڑ کر دروازے کو ٹکر دے ماری۔۔۔دروازہ ٹوٹ کر اندر کی طرف گرا۔۔۔ہاتھ میں پستول لئے وہ اندر داخل ہو گئے۔۔۔صحن میں ایک لاش ان کو منہ چڑا رہی تھی۔۔۔اور دوسری طرف ایک کمرہ تھا' اس کی کھلی کھڑکی سے یہ اندازہ لگانا آسان تھا کہ قاتل اس کھڑکی کے راستے جا چکا ہے۔انہوں نے اس کے جسم کو ہاتھ لگایا۔۔۔جسم ابھی تک گرم تھا البتہ خون بہنا رک چکا تھا۔۔۔قاتل کو دیکھ کر ریسیور اس کے ہاتھ چھوٹ گیا تھا۔۔۔اس کے الفاظ اب تک ان کے کانوں میں گونج رہے تھے سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا تھا۔

''ابرار روڈ ۲۱۱۔۔۔فوراً آجائیں۔۔۔ورنہ مجھے قتل۔۔۔''

اوران الفاظ کے بعد ہی اس کو چیخ سنائی دی تھی۔۔۔اسی لئے وہ

فوراً دوڑ پڑے تھے۔

''بے چارا۔۔۔مارا گیا''۔وہ بڑبڑائے۔

دروازے کے سامنے بھیڑ جمع ہونے لگی تھی۔۔۔اس لئے کہ دروازہ ٹوٹنے کی آواز گزرتے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔۔۔انہوں نے فوراً وائرلیس پر اکرام کو ہدایات دیں۔۔۔اور پھر سے صحن کا جائزہ لینے لگے۔۔۔واردات خنجر کے ذریعے کی گئی تھی۔۔۔خنجر ابھی تک سینے میں پیوست تھا۔۔۔اور وہ سوچ رہے تھے۔۔۔اس کے دستے پر انگلیوں کے نشانات نہیں ہوسکتے۔۔۔قاتل اناڑی نہیں تھا۔۔۔ایسے میں ان کی نظریں فرش پر پڑے ایک مڑے تڑے کاغذ پر پڑیں۔۔۔وہ تیزی سے آگے بڑے کاغذ فون کے پاس پڑا تھا۔۔۔انہوں نے اس کی سلوٹیں صاف کیں۔۔۔کاغذ پر خون سے کچھ لکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔۔۔لیکن وہ کوشش کے باوجود پڑھ نہ

سکے۔۔۔پہلا لفظ جوان کی سمجھ میں آیا وہ بیل تھا۔۔۔دوسرا کا ۔۔۔اور تیسرا۔۔۔سپ۔

''بیل کا سپ۔۔۔یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ بڑبڑائے۔۔۔پھر انہوں نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

جلد ہی اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔۔۔انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔

''اکرام تم کچھ اندازہ لگا سکتے ہو''۔

''یس سر۔۔۔مقتول کو پہلے سے اپنی جان کا خطرہ تھا۔۔۔وہ آپ کو فون کرنے لگا ہی تھا کہ قاتل اندر داخل ہو گیا''۔

''اوہو بھئی۔۔۔یہ بات تو سامنے کی ہے۔۔۔سوال یہ ہے کہ اس بے چارے کو کیوں ہلاک کیا گیا ہے؟''

''قاتل کا کوئی راز اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔۔۔وہ راز آپ کو بتانا

چاہتا تھا۔۔۔لیکن اس سے پہلے ہی اسے قتل کر دیا گیا“۔

”ہاں شاید۔۔۔لیکن وہ کچھ بتا نہیں پایا تھا کہ بے چارے کو ہلاک کر دیا گیا۔۔۔ویسے اکرام۔۔۔کیا تم بتا سکتے ہو اس کاغذ پر مقتول نے اپنے خون سے کیا لکھنے کی کوشش کی ہے“۔

”کک۔۔۔کاغذ۔۔۔کیسا کاغذ۔۔۔کہاں ہے کاغذ۔۔۔مجھے تو یہاں دور دور تک کوئی کاغذ نظر نہیں آ رہا سر“۔

”اوہو۔۔۔بھئی محمود اور فاروق بننے کی کوشش نہ کرو۔۔۔یہ رہا کاغذ“۔

اکرام نے کاغذ لے لیا اور اس پر لکھے نامکمل الفاظ کو غور سے دیکھنے لگا۔۔۔پھر بولا۔

”اس پر لکھا ہے سر۔۔۔بیل کا سپ“۔

”یہ تو میں نے بھی پڑھ لیا ہے۔۔۔بیل کا سپ کیا ہوتا ہے“۔

''سپ پنجابی میں شاید سانپ کو کہتے ہیں۔۔۔اور بیل تو ظاہر ہے۔۔۔گائے کا مذکر ہوتا ہے''۔

''اچھا یونہی سہی۔۔۔بیل کا سانپ کیا ہوا؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں سر''۔

''تب پھر۔۔۔کون بتائے گا''۔انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

محمود، فاروق اور فرزانہ سر''۔

''یار چھوڑو۔۔آج تو تم بھی ان کی نقل کرنے پر اتر آئے ہو۔۔۔ خیر۔۔اس کاغذ کو پھر دیکھیں گے۔۔۔اب جلد از جلد یہ معلوم کرو کہ یہ کون تھا۔۔۔آس پاس سے معلوم ہو سکتا ہے''۔

''میں ابھی آیا سر''۔

وہ اپنی کار میں جا بیٹھے۔۔۔پندرہ منٹ بعد اکرام آیا اور کار میں بیٹھتے ہی بولا۔

''سر یہ شخص ایک پولیس مین تھا۔۔۔ہیڈ کانسٹیبل۔۔۔عملے والے اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔۔۔آج تک اس نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ اس کی ڈیوٹی کہاں لگی ہے۔۔۔سنا ہے۔۔۔رشوت کے نام سے بڑک اٹھا تھا۔۔۔بہت ایمان دار تھا۔۔۔کمزوروں اور ضرورت مندوں کی جسمانی مدد کرتا تھا۔۔ورنہ یہ بہت غریب تھا۔۔۔گھر کے افراد کسی گاؤں میں رہتے تھے۔۔۔گھر کا کوئی فرد اس گھر میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا''۔

''نام کیا تھا؟''

''سرفراز حمید''اس نے بتایا۔

''اچھا۔۔۔میں چلتا ہوں۔۔۔جلد از جلد معلوم کرو۔۔۔یہ کہاں لگا ہوا تھا؟''

''او کے سر۔۔۔آپ فکر نہ کریں۔۔۔بہت جلد تمام معلومات آپ

کے سامنے ہوں گی"

انسپکٹر جمشید گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ساتھ ہی انہیں محسوس ہوا' کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔۔۔ اب جو انہوں نے جائزہ لیا تو ایک سفید کار تعاقب میں نظر آئی۔۔۔ انہوں نے کار کی رفتار کم کر لی تا کہ معلوم ہو جائے۔۔۔ وہ واقعی تعاقب کر رہا ہے۔۔۔ یا یہ صرف ان کا خیال ہے ان کے ساتھ ہی سفید کار والے نے بھی رفتار کم کر لی۔۔۔ انہوں نے رفتار تیز کی تو سفید کار والے نے بھی رفتار تیز کر لی۔۔۔ اب اس میں کوئی شک نہ رہا کہ وہ تعاقب کر رہا ہے۔۔۔ چنانچہ وہ یکساں رفتار سے چلتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ گھر پہنچ گئے۔۔۔ گھر میں داخل ہو کر انہوں نے چھت پر جا کر دیکھا۔۔۔ سفید کار والا سڑک کے کنارے ایک ایسی جگہ کھڑا تھا۔۔۔ جہاں سے وہ ان کے گھر کے دروازے بخوبی نظر رکھ سکے۔۔۔ وہ مسکرا

دیئے اور پھر انہوں نے اپنے دفتر کے نمبر ملائے۔

''توحید احمد بات کر رہا ہوں''

''سنو توحید احمد۔۔۔میرے گھر کے سامنے سڑک کے کنارے پر ایک سفید کار کھڑی ہے۔۔۔وہ میرے گھر کی نگرانی کر رہا ہے۔۔۔دو سادہ لباس والوں کو کار پر بھیج دو۔۔۔وہ اس کی نگرانی کریں گے۔۔۔اور جہاں بھی وہ جائے۔۔۔تعاقب کریں گے۔۔۔لیکن اس طرح کہ اسے احساس نہ ہو سکے''۔

''او کے سر۔۔۔آپ فکر نہ کریں۔۔۔میں خود یہ کام کروں گا''۔

''یہ اور اچھا ہے۔۔۔وہ بولے۔

نیچے آئے تو بیگم جمشید چائے لگا چکی تھیں۔

''یہ کہاں چلے گئے؟''

''شاید جیل تک گئے ہیں''۔

''جیل۔۔۔ارے باپ رے۔۔۔انہیں جیل کا خیال کس طرح آ گیا''۔انہوں نے گھبرا کر کہا۔

''یہ تو وہی بتائیں گے۔۔۔لیکن آپ کس بات سے گھبرا رہے ہیں؟''

''جیل سے۔۔۔جیل ہے ہی خوفناک جگہ''۔وہ بولے۔

''لیکن آپ کو خوف کھانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔وہ مجرموں کے لئے خوف ناک ہے''۔

''پتا نہیں ویسے فاروق کا کہنا ہے کہ خوف کھانا صحت کے لئے بہت اچھا ہوتا ہے''۔

''ہائیں۔۔آج آپ کو کیا ہو گیا؟'' بیگم جمشید حیران ہو کر بولیں۔

''کک۔۔۔کیوں۔۔۔کیا ہوا؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''ہونا کیا تھا۔۔۔بس وہی ہوا ہے۔۔۔جو محمود، فاروق اور فرزانہ

کو ہو جاتا ہے"۔

"یعنی آپ کو بھی شوخی سوجھ رہی ہے"۔ بیگم مسکرائیں۔

"ہاں! اس لئے کہ آج اکرام کو بھی شوخی سوجھ رہی تھی"

انسپکٹر جمشید ہنس پڑے۔

"آج تو آپ واقعی اور انداز میں بات کر رہے ہیں۔۔۔خیر چائے کے بارے میں کیا خیال ہے"

"اگر وہ نہیں ہیں تو میں چائے پی لوں۔۔۔لے آؤ"۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔۔۔دوسری طرف اکرام تھا۔

"سر۔۔۔خاص خبر ہے۔۔۔مقتول سرفراز حمید محکمے میں بہت بدنام تھا۔۔۔اسے بار بار ٹرانسفر کیا گیا۔۔۔لیکن اس کے خلاف شکایت اسی طرح رہیں۔۔۔آخر اس سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنے کے لئے اسے محکمہ جیل میں بھیج دیا گیا"۔

"جیل بھیج دیا گیا۔۔۔کیا مطلب؟"

"کسی جرم میں نہیں۔۔۔جیل میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔۔۔قیدیوں پر نگرانی کرنے والوں کا ہیڈ کانسٹیبل بنا کر"۔ اکرم بولا۔

"اوہ اچھا' میں سمجھ گیا۔۔۔لیکن بھئی۔۔۔محلے والے تو اس کی بہت تعریف کر رہے تھے۔۔۔تم ذرا مزید تحقیقات کرو۔۔۔محکمے کے لوگ اس کے خلاف کیوں تھے؟

"جی بہت اچھا"۔ اکرام نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"ارے! ان کے منہ سے اچانک نکلا۔

"کیا ہوا۔۔۔یہ ارے کسی خوشی میں منہ سے نکلا"۔ بیگم نے پوچھا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ بھی تو جیل گئے ہیں۔۔۔میں نے ابھی ابھی خبر سنی ہے کہ جس ہیڈ کانسٹیبل کو قتل کیا گیا' وہ جیل میں لگا ہوا تھا۔۔۔اور وہ کاغذ بھی یاد آ گیا"۔ یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ نکالا

اور اس کے الفاظ پر نظر دوڑائی۔۔۔فوراً ہی وہ زور سے اچھلے۔ان کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔۔۔پھر انہوں نے کہا۔

"لیکن ظاہر ہے۔۔وہ اس شخص کے چکر میں تو نہیں گئے ہوں گے"۔

"ہاں یاد آیا۔۔۔وہ تھوڑی دیر پہلے لائبریری میں گھسے ہوئے تھے۔۔۔وہی انہوں نے جیل جانے کا پروگرام بنایا تھا"۔

اوہ اچھا۔۔۔ایک منٹ"۔یہ کہہ کر وہ لائبریری میں چلے گئے۔۔۔ وہاں آخبارات کی فائل اس جگی سے نکلی ہوئی تھی جس جگہ پر دونوں کی تصویریں تھیں۔۔۔ان تصاویر میں نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھے اور خبر پر جھک گئے۔۔۔خبر پڑھ کر انہیں اور بھی حیرت ہوئی۔۔۔

انہوں نے فوراً کمانڈر انچیف کمال ظفر کو فون کیا۔

"السلام علیکم جناب۔۔۔انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"

"اوہ آپ ہیں۔۔۔فرمائیے۔۔۔کیا خدمت کر سکتا ہوں"۔

''ڈیڑھ سال پہلے کچھ فوجی کسی جنگی جھڑپ میں گرفتار ہوئے تھے۔۔۔میرا مطلب ہے شارجستان کے فوجی''۔

''ہاں بالکل ہوئے تھے۔۔۔تو پھر؟''

''بھلا وہ تعداد میں کل کتنے تھے؟''

''پچیس کے قریب۔۔۔بلکہ پورے پچیس''۔

''کیا وہ ملٹری کی جیل میں ہیں''

''نہیں۔۔۔ان پر مقدمہ چلایا گیا تھا اور پھر سول جیل میں ہی انہیں بھیج دیا گیا تھا۔۔۔ملٹری کی جیل میں ہم وقتی طور پر قیدیوں کو رکھتے ہیں۔۔۔جب ان کے خلاف فیصلہ سنا دیا جاتا ہے تو پھر تو پھر سول جیل میں ڈال دیئے جاتے ہیں''۔

''جب کہ میرے خیال میں انہیں ملٹری جیل میں ہی رکھنا چاہیئے''۔

''کیوں۔۔۔یہ کس لئے بہتر ہے؟''

''یہ لوگ یہاں عام قیدیوں سے ملتے ہیں۔۔۔ان قیدیوں کو اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں''۔

''جی نہیں۔۔۔ان قیدیوں کو کسی سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔۔۔ اور پھر انہیں روزانہ کوٹھڑیوں سے باہر بھی نہیں نکالا جاتا۔۔۔ ہفتے میں صرف ایک بار نکالتے ہیں''۔

''اوہ اچھا۔۔۔ٹھیک ہے۔مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ ایسے قیدی عام جیل میں رکھے گئے ہیں۔۔۔بلکہ ان میں سے دو کو تو شہر میں دیکھا گیا ہے۔۔۔شاید ان کی سزا پوری ہوگئی ہے''۔

''کیا کہا۔۔۔شہر میں گھومتے دیکھا ہے۔ان میں سے دو قیدیوں کو''۔

''ہاں بالکل! یہی بات ہے''۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' کمانڈر انچیف نے مارے حیرت سے کہا۔

کیوں۔۔۔کیا بات ہے۔۔۔ہو کیوں نہیں سکتا بھلا"۔انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ جنگی قیدی ہیں۔۔۔جب بھی رہا ہوں گے انہیں سرکاری نگرانی میں سرحد پار کروا دی جائے گی۔۔۔ہمارے عوام کے درمیان وہ نہیں گھوم پھر سکتے۔۔۔دوسری بات یہ کہ ان کی سزا تو ختم ہو ہی نہیں سکتی"۔

"کیا کہا!!!"انسپکٹر جمشید چلائے۔

"جی ہاں!انہیں تا حیات کی سزا دی گئی تھی۔۔۔یعنی مرتے دم تک وہ جیل میں رہیں گے۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے۔۔۔آپ نے جن دونوں کے دیکھا وہ ان پچیس میں سے نہیں ہیں۔

"اب مجھے اٹھنا ہی پڑے گا۔۔۔میری درخواست ہے۔۔آپ بھی فوراً جیل پہنچ جائیں"۔

اور پھر وہ اسی وقت گھر سے نکل کر جیل پہنچے۔۔۔دوسری طرف سے کمال ظفر بھی آگئے۔۔۔انہوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور پھر جیل قید کے دروازے کی طرف بڑھے۔۔۔لیکن فوراً ہی ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔



کوٹھڑی:

انہوں نے دیکھا' فیاض شیرازی جیل کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر چونک اٹھا۔

"آپ اور یہاں؟ محمود نے منہ بنایا۔

"آپ بھی تو یہاں نظر آرہے ہیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"ہمیں تو کیس کے سلسلے میں آنا پڑا ہے"۔

"اور میرا ایک عزیز ان دنوں جیل میں ہے۔۔۔ ہیروئن پینے کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔۔۔ اس سے ملاقات کرنے کے لئے آیا تھا"۔

"لیکن ملاقات تو اس طرف ہوتی ہے اور آپ جیل کے صدر دروازے سے نکل رہے ہیں"۔

"سپرنٹنڈنٹ جیل سے میری علیک سلیک ہے۔۔۔ وہ اپنے دفتر میں ملاقات کروا دیتے ہیں"۔

''اوہ اچھا۔۔۔ٹھیک ہے'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

''سپرنٹنڈنٹ جیل کا نام فوزی جان تھا۔۔۔اس نے حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

''فرمایئے۔۔۔کیا خدمت کرسکتا ہوں'' لہجے میں انہوں نے ناگواری صاف محسوس کی۔

''آپ کے ہاں پچیس کے قریب جنگی قیدی بھی ہیں۔۔۔ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں''۔

''ان سے ملاقات کی اجازت نہیں'' اس نے منہ بنایا۔

''کون اجازت دے گا'' محمود بولا۔

''کمانڈر انچیف کی اجازت کے بغیر ملاقات نہیں کروا سکتے''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔ہم ان سے اجازت لے لیتے ہیں۔۔۔میں انہیں فون کرسکتا ہوں''۔

''فون پر اجازت نہیں چلے گی۔۔۔ان کی تحریری اجازت لانا ہوگی''

اس کام میں وقت لگ جائے گا''۔

''تو لگ جائے''۔

''لیکن ہم نصف وقت تو بچا ہی سکتے ہیں''۔فرزانہ مسکرائی۔

''کیا مطلب؟''فوزی جان نے اسے گھورا۔

''مطلب یہ کہ ہم کمال ظفر صاحب کو فون کر دیتے ہیں' وہ وہاں سے تحریری اجازت بھیج دیتے ہیں۔۔۔تو ہمارا نصف وقت بچ جائے گا''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔کرلیں فون''اس نے جل کر کہا۔

''آپ کو پریشانی کیا ہے؟''فرزانہ بول اٹھی۔

''مجھے کیا پریشانی ہوگی بھلا''۔

''آپ بہت اکھڑے اکھڑے انداز میں باتیں کر رہیں نا۔۔۔آپ

کی اطلاع کے لئے ہم سرکاری کیس حل کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں اور یہ کیس ہے قتل کا اور جانے کس کس چیز کا''۔

''ٹھیک ہے۔۔۔آپ فون کرلیں اور اگر وہ اجازت بھیجنے کی بات کرتے ہیں تو ساتھ والے کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرلیں''۔

''شکریہ۔۔۔آپ نے اتنی اجازت تو دے دی''۔محمود نے خوش ہو کر کہا اور فون کا رسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔۔۔جلد ہی ہیڈ کوارٹر کا نمبر مل گیا۔۔۔لیکن دوسری طرف سے بتایا گیا کہ وہ دفتر میں موجود نہیں ہیں''۔

''اچھا تو پھر میرا پیغام نوٹ کرلیں۔۔۔محمود بات کرر ہا ہوں۔۔۔انسپکٹر جمشید کا بیٹا''۔

''اوہ۔۔۔تو وہ آپ لوگوں کی طرف ہی گئے ہیں''۔

''کیا مطلب؟''

''انہیں انسپکٹر جمشید صاحب نے فون کیا تھا''۔

''ارے باپ رے۔۔۔چکر تو کچھ گہرا ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ابا جان پہلے ہی کمال ظفر کو فون کر کے بلا چکے ہیں''۔

''کیا!!!'' وہ دونوں بولے۔

''ہاں اچھا جناب شکریہ''۔

اب اس نے گھر کے نمبر ملائے۔۔۔سپرنٹنڈنٹ برے برے منہ بناتا رہا۔۔۔گھر سے ان کی والدہ نے ریسیور اٹھایا۔

''امی جان! ابا جان سے بات کروائیں''۔

''وہ جیل گئے ہیں۔۔۔اور کیا تم بھی جیل سے ہی بات نہیں کر رہے ہو۔؟''

''یہی بات ہے۔۔۔خیر۔۔۔اگر وہ ادھر آ رہے ہیں تو بات ہی ختم ہو گئی''۔محمود نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

''کون ادھر آ رہے ہیں؟''

''ابا جان اور کمال ظفر صاحب''

''کیا مطلب۔۔۔وہ ادھر آ رہے ہیں''۔ سپرنٹنڈنٹ نے چونک کر کہا۔

''ہاں! لیکن آپ کیوں پریشان ہو گئے۔۔۔ہم آپ کی شکایت نہیں لگائیں گے''۔

''اوہ بہت بہت شکریہ''۔ اس نے خوش ہو کر کہا اور پھر فوراً بولا۔

''لیکن پھر تو ہمیں دروازے پر چل کر ان کا استقبال کرنا چاہیے''۔

''جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ہمیں کوئی اعتراض نہیں'' محمود بولا۔

''میں نے یہ بات آپ سے نہیں۔۔۔اپنے آپ سے کہی ہے۔۔۔ آپ بے شک یہیں بیٹھے رہیں''۔

''نہیں۔۔۔ہم بھی آپ کے ساتھ دروازے پر چلے گے''۔

''تو پھر آیئے''۔ وہ جھلا اٹھا۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔۔۔اسی وقت ایک کار دروازے پر آ کر رکی۔۔۔اسی میں سے انسپکٹر جمشید اور کمال ظفر اترے۔۔۔انہیں دروازے میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔۔۔خاص طور پر اس لئے بھی کہ سپرنٹنڈنٹ جیل بھی ان کے ساتھ دروازے پر موجود تھا۔

''آپ لوگ دروازے پر کیوں کھڑے ہیں؟''

انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''آپ کے استقبال کے لئے''۔

''آپ کو کیسے پتا چلا۔۔۔ہم آرہے ہیں''۔

''یہ تفصیل ان سے پوچھئے''۔اس نے تینوں کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا تو پھر اندر چل کر بات کرتے ہیں''۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ سب اس کے دفتر میں آبیٹھے۔

''پہلے تو تم بتاؤ۔۔۔تم یہاں کیسے آئے''۔

''پارک میں جن دو آدمیوں کے جانا پہچانا ہونے کا خیال ہمیں ہوا تھا۔۔۔ہم نے اخبارات کی فائلوں میں انہیں تلاش کیا تھا۔۔۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ وہ جنگی قیدی ہیں۔۔۔لیکن ہم نے انہیں جیل سے باہر دیکھا تھا۔۔۔لہٰذا ہم نے جیل کا رخ کیا۔۔۔ہم نے سپرنٹنڈنٹ صاحب سے درخواست کی کہ ہمیں ان پچیس قیدیوں سے ملوائیں۔۔۔انہوں نے کہا کہ ملنے کے لئے کمانڈر انچیف کی اجازت ضروری ہے''۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔میں نے انہیں یہ ہدایات دی تھیں'' کمال ظفر نے کہا۔

''اسی لئے ہم نے ہیڈ کوارٹر فون کیا۔۔۔وہاں سے پتا چلا کہ آپ نے انہیں فون کیا تھا اور یہ آپ سے ملنے کے لئے گئے ہیں۔۔۔

چنانچہ ہم نے گھر فون کیا۔۔۔امی جان نے بتایا کہ آپ اس طرف ہی آ رہے ہیں۔۔۔یہ ہے تفصیل"۔

"لہٰذا ہم آپ کے استقبال کے لئے باہر نکل آئے تھے"۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی"۔کمال ظفر مسکرائے۔

"لیکن آپ کی کہانی کیا ہے؟"

"یہ کہانی تو تمہاری کہانی ہے۔۔۔میری نہیں۔۔۔میں نے جب تمہاری امی سے سنا کہ تم لائبریری میں گھسے ہوئے تھے۔۔۔اور وہاں سے تم جیل چلے گئے ہو تو میں نے بھی اندر داخل ہو کر اخبارات کی کھلی فائلیں دیکھیں۔۔۔ان دونوں کی تصاویر دیکھ کر اور خبر پڑھ کر کمال ظفر سے رابطہ کیا اور پھر میں نے انہیں بلا لیا۔۔۔تا کہ آ کر ساری صورتِ حال کا جائزہ لیا جا سکے۔اب تک سپرنٹنڈنٹ

صاحب جان گئے ہوں گے کہ معاملہ کیا ہے۔۔۔پھر بھی میں بتا دیتا ہوں۔۔۔ان پچیس قیدیوں میں سے دو قیدی۔۔۔ہمیں جیل سے باہر نظر آئے ہیں۔۔۔آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں''۔

''یہی کہ۔۔۔یہ نہیں ہوسکتا۔۔۔انہیں ان کی کوٹھڑی سے بھی باہر نہیں نکالا جاتا''۔

''ٹھیک ہے۔۔۔آیئے ذرا ان قیدیوں سے ملاقات کرلیں''۔

''جی ضرور۔۔کیوں نہیں''۔

سپرنٹنڈنٹ انہیں ساتھ لے کر اندر کی طرف چل پڑا۔۔۔اس کے چند ماتحت بھی ساتھ تھے۔

''انہیں ہفتے میں تو ایک بار باہر نکالا جاتا ہے نا''۔کمال ظفر بولے۔

''ہاں جناب بالکل۔۔۔وہ بھی آپ کی ہدیات ہیں۔۔۔ورنہ ہم تو ہفتے میں بھی نہ نکلیں''۔

''ہوں ٹھیک ہے''۔

آخر وہ اس کوٹھڑی کے سامنے پہنچ گئے۔۔۔جس میں پچیس جنگی قیدی رکھے گئے تھے۔

''انکے ناموں کی فہرست ہے آپ کے پاس''۔کمال ظفر بولے۔

''جی دفتر میں ہے۔

''وہ فہرست منگوا لیں''۔انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اس نے ایک ماتحت کو اشارہ کیا۔۔۔وہ چلا گیا۔۔۔ادھر قیدی انہیں دیکھ کر سلاخوں سے آ لگے تھے۔

''ذرا گننا بھئی انہیں''۔انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی اچھا''۔وہ بولے اور انہیں گننے لگے۔۔۔آخر محمود نے کہا۔

''پچیس پورے ہیں''۔

''تم نے کن دو کو دیکھا تھا''۔

''وہ اس طرف کھڑے ہیں۔۔۔ساتھ ساتھ'' محمود نے کہا۔۔۔

فاروق نے اس کی تائید میں سر ہلایا۔

''سپر نٹنڈنٹ صاحب۔۔۔ان دونوں کو باہر نکلوائیں''۔

''او کے سر''۔اس نے جلدی سے کہا اور پھر اس نے ایک دوسرے ماتحت کو اشارہ کیا۔۔۔وہ کوٹھڑی کا تالا کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔

''جب انہیں باہر نکالا جاتا ہے تو کیا پیروں میں بیڑیاں ڈالی جاتی ہیں؟'' کمال ظفر نے پوچھا۔

''بالکل جناب''۔

''بہت خوب''۔وہ بولے۔

اسی وقت دروازہ کھل گیا۔

''صرف تم دونوں باہر آؤ''۔سپر نٹنڈنٹ جیل نے اشارہ کیا۔

وہ دونوں باہر آ گئے۔

''تم نیشنل پارک میں کیا کر رہے تھے؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''ہم سر۔۔۔ بھلا ہم اس کوٹھڑی کے علاوہ کہیں اور کس طرح ہو سکتے ہیں''۔

''تو کیا۔۔۔ تمہارے میک اپ میں کوئی اور دو آدمی گھوم پھر رہے تھے۔ اور دلاور سا سانی کے گھر تک گئے تھے''۔

''دلاور سا سانی۔۔۔ یہ کون ہیں سر؟'' دوسرا بولا۔

''ہوں۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ ان سب کو باہر نکال لیا جائے''۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی۔۔۔ کیا مطلب؟''

''حفاظتی دستہ منگوا کر انہیں باہر نکالا جائے۔۔۔ میں اس کوٹھڑی کی تلاشی لینا چاہتا ہوں''۔

''ہاں تلاشی۔۔۔یہ دونوں اس بات سے انکاری ہیں کہ جیل سے باہر گے تھے۔۔۔جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں جیل سے باہر دیکھے گئے ہیں۔۔۔ان دونوں نے پہلے نیشنل پارک میں ملاقات کی۔۔۔پھر یہ وہاں سے دلاورساسانی صاحب کی کوٹھی میں گئے۔۔۔ارے ہاں۔۔۔بھئی محمود۔۔۔تم ذرا دلاورساسانی صاحب کو بھی یہیں بلا لو۔۔۔ان کا بیان بھی ہو جائے گا ذرا''۔

''جی اچھا''۔محمود نے کہا ان کی جیب سے موبائل سیٹ نکال کر فون کرنے لگا۔

''آخر معاملہ کیا ہے؟''سپرنٹنڈنٹ صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

''کیا معاملہ ابھی تک آپکو سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔حیرت ہے۔۔۔یہ جنگی قیدی ہیں۔۔۔انہیں باہر نکالے جانے کی اجازت نہیں۔۔۔جب انہیں کسی جھڑپ کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تو انکی تصاویر اخبار

میں شائع کی ہوئی تھیں۔۔۔پھر ان پر مقدمہ کیا گیا تو اس دوران بھی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں۔۔۔جب فیصلہ سنایا گیا تو اس وقت بھی ان کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں۔۔۔اس طرح ان کی تصاویر ہمارے ذہنوں میں نقش ہو گئیں۔۔۔اب محمود اور فاروق نے ان دونوں کو نیشنل پارک میں دیکھا تو الجھن کا شکار ہو گئے۔۔ان دونوں کی شکلیں انہیں جانی پہچانی سی نظر آئی تھیں۔۔۔لیکن انہیں یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے۔۔۔پھر آخر کار انہوں نے اخبارات کی فائلیں چیک کیں۔۔۔اور وہاں ان کی تصاویر مل گئیں۔۔۔ان کے بارے میں معلوم ہو گیا لہٰذا اب ہم یہاں ہیں۔۔۔ہم جاننا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں جیل سے باہر کیوں چلے گئے تھے۔۔۔جب کہ انکا کہنا ہے کہ یہ باہر نہیں گئے ہیں۔۔۔اب ہمیں دیکھنا ہے کہ کون سی بات درست ہے''۔

”تب پھر ہو سکتا ہے جناب کہ وہ آدمی ان کے میک اپ میں ہوں“ سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا۔

”بہت خوب! اچھا کیا آپ نے یہ بات کہہ دی۔۔۔لیکن ذرا سوچیں۔۔۔اُن دو آدمیوں کو ان کے حلیئے میں پھرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔۔۔اور اُنہوں نے ان دونوں کا حلیہ کیسے اختیار کیا۔۔۔کوئی تو تعلق ان کا پھر ہوا نا۔۔۔چلو ہمیں یہ تعلق ہی بتا دیں۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”وہ تو وہ بتائیں گے۔۔۔جو میک اپ میں پھر رہے تھے“ فوزی جان نے منہ بنایا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔اگر ہمیں وہ مل جاتے ہیں تو ہم ان سے پوچھ لیں گے“۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”وہ آ رہے ہیں ابا جان“۔محمود نے انہیں بتایا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔آپ نے کوٹھڑی خالی کرانے کا انتظام نہیں کیا؟

''انہیں ساتھ والی کوٹھڑی میں بند کرنا پڑے گا۔۔۔کیونکہ یہ خطرناک قیدی ہیں۔۔۔لہٰذا احتیاط ضروری ہے''۔فوزی جان نے کہا۔

''ضرور احتیاط کریں گے۔۔۔ہم نے کب کہا ہے۔۔۔کہ نہ کریں'' انسپکٹر جمشید نے نرم آواز میں کہا۔۔۔اور فوزی جان تلملا کر رہ گیا۔

آخر کوٹھڑی خالی کرائی گئی۔۔۔اب انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہو گئے۔۔۔باقی لوگ باہر کھڑے رہے۔۔۔کسی اور نے اندر آنے کی کوشش نہ کی۔۔۔انہوں نے کوٹھڑی کا بغور جائزہ لیا۔۔۔کوٹھڑی کا فرش کچا تھا۔۔۔اس پر نشانات موجود تھے۔۔۔وہ فرش قدرے نم دار تھا۔۔۔شاید وہ پانی وغیرہ گرا دیتے ہوں گے۔۔۔وہ ان نشانات کو بغور دیکھتے رہے۔۔۔پھر اچانک انسپکٹر جمشید بہت زور سے اچھلے۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔



اسے کیا ہوا:

''اف مالک۔۔۔یہ اس جھولے میں کیا ہے؟'' وہ کانپ گئے۔

''کس جھولے کی بات کرر ہے ہیں جناب؟''

ایک قیدی نے کہا۔

''یہ جو دیوار سے لٹکا ہوا ہے''۔

''اس میں ان کی کچھ چیزیں ہوں گی''۔

''اس کو الٹ دو'' وہ بولے۔

محمود نے جھولے کو اتارا اور فرش پر الٹ دیا۔۔۔دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔۔۔اس میں تاش کی گڈیاں۔۔۔ہیروئن۔۔۔چرس۔۔۔سگریٹ کے پیکٹ۔۔۔شیو کا سامان۔۔۔نہانے کا صابن

اور ایک سیاہ بٹن موجود تھا۔۔۔کاغذ اور قلم بھی موجود تھے۔

''اس سامان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں''۔انسپکٹر جمشید فوزی جان کی طرف مڑے۔

''میں نے بھی آج ہی یہ چیزیں دیکھی ہیں' 'اس نے فوراً کہا۔

''سامان میں کاغذ اور قلم بھی ہیں۔۔۔ان سب چیزوں کو تو خیر ہم نظر انداز کر سکتے ہیں۔۔۔یہ سیاہ بٹن کی آپ کیا وضاحت کریں گے''۔

''میں نہیں جانتا۔۔۔یہ کیا ہیں؟''

''ہمیں امید نہ تھی جناب کہ آپ اس قدر سفید جھوٹ بولیں گے''۔ محمود نے منہ بنایا۔

''کیا مطلب۔۔۔جھوٹ اور میں بول رہا ہوں''۔

''ہاں جناب''۔محمود بولا۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں۔۔۔مجھ پر بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں"۔

"نہیں۔۔۔یہ الزام نہیں۔۔۔حقیقت ہے۔۔۔آپ جھوٹ بول رہے ہیں"۔فرزانہ نے کہا۔

"غلط۔۔۔آپ ثابت کریں۔۔۔میں کیا جھوٹ بول رہا ہوں"۔

"شکریہ۔۔۔آپ نے اجازت دے دی۔۔۔لیجئے ہم ثابت کرتے ہیں۔۔۔آپ کا کہنا ہے۔۔۔آپ اس سیاہ بٹن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔۔۔جب کہ آپ اپنے کمرے میں۔۔۔آپ کی میز کے پائے سے اس آلے کا دوسرا حصہ چپکا ہوا ہے"۔

"نن نہیں" وہ بری طرح اچھلا۔

اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے کمرے میں ہونے والی تمام

باتیں یہ لوگ سنتے رہتے ہیں''۔

''نن۔۔۔نہیں''۔۔۔وہ چیخا۔

''آپ تو اس طرح چیخ رہے ہیں۔۔۔جیسے اس بات کا آپکو علم نہ ہو۔۔۔حالانکہ یہ نہیں ہو سکتا''۔

''درست بات یہی ہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے''۔

''کیا آپ نے اپنے دفتر کی میز کے پائے پر لگا ہوا وہ سیاہ بٹن کبھی نہیں دیکھا''۔انسپکٹر جمشید سرد لہجے میں بولے۔

''ہاں نہیں دیکھا''۔اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔۔۔اس کا مطلب ہے۔۔۔آپ کی میز پر کسی اور نے وہ آلہ چپکایا ہے۔۔۔لیکن اسکا دوسرا حصہ یہاں کون چپکا گیا۔۔۔جب کہ ان قیدیوں کی ملاقات کسی سے نہیں کرائی جاتی۔۔۔اگر کرائی جاتی ہے تو صرف کمانڈرانچیف کی اجازت

سے۔۔۔کیوں کمال ظفر صاحب۔۔۔کیا ایک آدھ ماہ کے اندر آپ سے بھی ان قیدیوں سے ملاقات کی اجازت کسی نے لی"۔

"نہیں۔۔۔بالکل نہیں"۔

"اب اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جیل ہی کا کوئی آدمی وہ آلہ دفتر میں لگا گیا ہے اور اسی نے وہ آلہ قیدیوں کو دیا۔۔۔تا کہ یہ قیدی آپ کے کمرے میں ہونے والی ہر بات کو سنتے رہیں' نوٹ کرتے رہیں اور ایسے راز اپنے ملک شارحستان بھیجتے رہیں جو ان کے کام آسکیں۔۔۔اور اس مقصد کے لئے لازمی بات ہے۔۔۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نہ جانے کتنے اہم لوگوں کو جیل دیکھنے کی دعوت دیتے ہوں گے۔۔۔اور اس بہانے ان کے منہ سے ملک کے قیمتی راز اگلوا لیتے ہوں گے۔۔۔جو اس کوٹھڑی میں سے جاتے ہوں گے"۔

''نن۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں'' وہ چلایا۔۔۔ باقی سب دم بخود تھے۔

''آپ نہیں کہیں یا ہاں۔۔۔یہ دو آدمی جو نیشنل پارک میں دیکھے گئے اور جو دلا ور سا سانی کے ہاں جاتے دیکھے گئے۔۔۔آپکی ساری کہانی سنا دیں گے''۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''مطلب یہ کہ جب ہم انہیں کمرہ امتحان میں لے جائیں گے۔۔۔تو وہاں یہ دونوں ضرور سچ اگلنے پر مجبور ہو جائیں گے''۔

''آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' فوزی جان نے جھلا کر کہا۔

''یہ کہ شار جستان کے قیدی۔۔۔قید تو ہو گئے۔۔۔لیکن قید ہو کر بھی یہ اپنے ملک کے لئے کام کر رہے ہیں۔۔۔یہاں انہیں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہیں۔۔۔انہیں اچھا کھانا۔۔۔کھیلنے کے لئے تاش۔۔۔نشہ کے لئے ہیروئن' چرس۔۔۔غرض ہر چیز یہاں مہیا کی

جاتی ہے۔۔۔آخر یہ چیزیں کیا آپ کی لاعلمی میں آجاتی ہیں۔۔۔
کوئی اس بات کو مان لے گا بھلا“۔

”نن نہیں“۔اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تب پھر۔۔۔اس سے پہلے کہ ہم آپ کو گرفتار کریں‘ آپ خود سچ
بتادیں“

”سچ یہی ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا“۔

”اور ہمارے خیال میں اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہیں ہے“۔

وہ مسکرائے۔

”آپ اس بات کو ثابت کردیں“۔اس نے تنک کر کہا۔

”یہی کام تو کرنے کے لئے آئے ہیں۔۔۔میں تو آگے بڑھ کر ایک اور الزام لگانے لگا ہوں۔۔۔یہ قیدی باہر جاکر بھی اپنے ملک کے لئے کام کرتے ہیں“۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ''۔فوزی جان نے چلا کر کہا۔

''ان دو قیدیوں کو نیشنل پارک میں دیکھا گیا۔۔۔پھر انہیں دلاور ساسانی کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا گیا۔۔۔دلاور ساسانی صاحب نے کہا کہ یہ دونوں بلیک میلر ہیں۔۔۔ان کے کچھ راز ان کے قبضے میں ہیں۔۔۔ان رازوں کی وجہ سے یہ دونوں ہر ماہ ان سے رقم لینے آتے ہیں۔۔۔اب آپ بتائیں۔۔۔ہیں تو یہ دشمن ملک کے فوجی۔۔۔اور ہمارے ہاں جنگی قیدی۔۔۔اور کرتے ہیں بلیک میلنگ۔۔۔آخر یہ چکر کیا ہے۔۔۔کیا آپ بتا سکتے ہیں؟''

''نہیں۔۔۔وہ یہ نہیں۔۔۔کوئی اور ہیں''۔

''اچھا۔۔۔یہ بات ہے۔۔۔لیکن کسی اور کو ان کے میک اپ میں گھومنے پھرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔۔۔آخر خاص طور پر وہ ان کے میک اپ میں کیوں ہوتے ہیں۔۔۔اور پھر انہوں نے

بالکل ان جیسا میک کیسے کرلیا۔۔۔کسی کا میک اپ کرنے کے لئے ان کا سامنے ہونا بھی ضروری ہے۔۔۔تو کیا ان دونوں نے ان دونوں کے سامنے بیٹھ کر میک اپ کیا تھا۔۔۔اگر یہی بات ہے تو میک اپ کرنے کا موقع بھی آپ ہی نے دیا تھا۔۔۔اگر اس سوال کا جواب نہیں میں ہے تو آپ بتائیں۔۔۔ان دونوں نے ان دو کے سامنے بیٹھ کر میک اپ کیسے کیا؟" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

اب سب کی نظریں فوزی جان پر تھیں۔۔۔لیکن وہ بالکل ساکت بیٹھا تھا۔۔۔اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

"اب آپ خاموش ہو گئے۔۔۔پہلے تو آپ بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے"۔انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔آخر انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ سب کچھ سچ بول دیں''

''میں نہیں جانتا۔۔۔ان دو نے ان دو کا میک اپ کیسے کیا؟''

''اچھی بات یہ۔۔۔اب ہم اپنے طریقے سے معلوم کریں گے۔۔۔ ان دونوں کو کمرۂ امتحان میں لے جاتے ہیں اور ساتھ میں آپ کو بھی''۔

''کیا کہا۔۔۔مجھے بھی۔۔۔آپ اور مجھ پر تشدد کریں گے''۔

''ملک کے دشمنوں کے ساتھ ایسا کرنا کیا برا ہے۔۔۔کیوں کمال ظفر صاحب؟''

''بالکل۔۔۔فوزی صاحب۔۔۔آپ صاف صاف کیوں نہیں کر لیتے۔۔۔آخر یہ دونوں جیل سے باہر کیوں کر چلے جاتے ہیں''۔

''میں نے انہیں کبھی جیل سے باہر نہیں بھیجا''۔اس نے کہا۔

''تو کیا اس جیل سے آپ کی مرضی کے بغیر بھی کوئی باہر جا سکتا

ہے''۔

''نن۔۔۔نہیں'' وہ ہکلایا۔

''آپ صاف بات نہیں کرر ہے۔۔۔آپ کو دفتر لے جانا ہی ہوگا''

انسپکٹر جمشید نے کہا۔

انسپکٹر جمشید دفتر فون کرنے لگے۔۔۔فوزی جان کا رنگ سفید پڑتا جارہا تھا۔۔۔اور دونوں قیدیوں کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔۔۔آخر اکرام ماتحت لے کر پہنچ گیا۔۔۔انہوں نے فوزی جان اور دونوں قیدیوں کو گاڑی میں بٹھایا۔۔۔اور دفتر کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔جونہی وہ دفتر میں داخل ہوئے۔۔۔سامنے دلاور ساسانی کھڑے نظر آئے۔

''یہ سب کیا ہورہا ہے؟ان کے چہرے پر شدید ناخوشگواری تھی۔

''آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔۔۔اب یہ دونوں بلیک میل نہیں کر

سکیں گے''۔

''لیکن گرفتار ہونے پر یہ میرے راز تو ظاہر کر دیں گے۔۔۔جب انہیں رقم ملنا بند ہو جائے گی تو یہ دونوں میرا سارا راز ظاہر کر دیں گے''۔

''یہاں معاملہ آپ کے رازوں کا نہیں۔۔۔ملک کے رازوں کا ہے''۔انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

''کیا فرمایا۔۔۔ملک کے رازوں کا'' وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

''ہاں جناب۔۔۔یہ دونوں اور ان کے ساتھی دوسرے قیدی۔۔۔قید میں رہ کر بھی آزاد ہیں۔۔۔جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔۔۔دن میں یہ سب کیلئے قیدی ہوتے ہیں۔۔۔رات کو آزاد۔۔۔بلکہ اب تو دن میں بھی چند شہر میں گھومتے نظر آتے ہیں''۔

''ان باتوں پر یقین کیسے کر لیا جائے''۔ساسانی نے منہ بنایا۔

''آیئے۔۔۔آپ بھی آپنے کانوں سے سنئے یہ کیا بتاتے ہیں''۔

''کیا یہ بیان دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں''۔

''نہیں۔۔۔ان سے بیان اگلوائے جائیں گے''۔

''ارے۔۔۔یہ تو فوزی جان ہیں۔۔۔سپرنٹنڈنٹ جیل۔۔۔یہ یہاں کیسے؟''

''ان سے بھی اگلوایا جائے گا بیان''۔

''کیا!!!'' دلاور ساسانی چلا اٹھا۔

''کیوں۔۔۔آپ کس لئے حیران ہیں؟'' اس بات پر کہ فوزی جان جیسے لوگوں کو آپ شکنجے میں کسیں گے''۔

''ملک کا دشمن کوئی بھی ہو۔۔۔شکنجوں میں کسنے کے قابل ہوتا ہے۔۔۔وہ چاہے یہ ہوں آپ ہوں۔۔۔یا میں کیوں نہ ہوں''۔

''ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔خبر میں بھی سننا چاہتا ہوں۔۔۔یہ

کیا بتاتے ہیں''۔

''اگرچہ آپ کو اس کمرے میں لے جانا مناسب نہیں۔۔۔لیکن اگر آپ ضرور ایسا چاہتے ہیں تو اجازت ہے''انہوں نے کہا۔

وہ سب کمرۂ امتحان میں داخل ہو گئے۔۔۔مشینوں کو دیکھ کر وہ تینوں تھر تھر کانپنے لگے۔

''نن۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔ہمیں شکنجوں میں نہ کسئے۔۔۔ہم ایسے ہی سب کچھ بتا دیتے ہیں''۔

''بہت خوب۔۔۔یہ ہوئی نا بات''۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''ہمیں جیل سے باہر فوزی جان کی اجازت سے نکالا جاتا ہے''۔

''واہ!یہ کہی بات''۔۔انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''جھوٹ۔۔۔بالکل جھوٹ۔تمہارا دماغ تو درست ہے''۔

اب ہم یہاں کیا کریں جناب۔۔۔ان مشینوں میں داخل ہونے کی

ہم میں ہمت نہیں''۔

''لیکن اس کا مطلب نہیں کہ تم جھوٹ بول دو''۔

''جھوٹ نہیں سچ''۔۔۔ایک نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔۔۔تم نیشنل پارک میں کیوں گئے تھے''۔

''وہاں تو بس ہم دونوں کی ملاقات طے ہوئی تھی۔۔۔ہم نے طے کیا تھا کہ اپنے اپنے کام کر کے وہاں آ جائیں گے۔۔۔اور وہاں سے ایک ساتھ دلاور ساسانی کے ہاں چلیں گے''۔

''تا کہ ان سے رقم لی جا سکے؟ انسپکٹر جمشید بولے۔

''وہ۔۔۔نن۔۔۔مم۔۔۔میں''۔

اچانک اس کی گردن ڈھلک گئی۔

''ارے! اسے کیا ہوا؟

انسپکٹر جمشید چونک کر اس کی طرف بڑھے۔



اصل مجرم:

انہوں نے دیکھا۔۔۔وہ مر چکا تھا۔۔۔وہ بوکھلا کر دوسرے کی طرف مڑے۔۔۔وہ بھی ساکت نظر آیا۔۔۔اب تو وہ گھبرا گئے۔۔۔اور فوزی جان کی طرف مڑے۔۔۔لیکن فوزی جان بھی ساکت نظر آیا۔

''ارے باپ رے۔۔۔یہ تو تینوں مر چکے ہیں''۔

''لیکن کیسے؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''ضرور ان کے پاس زہر ہوگا۔۔۔یعنی زہر کیپسول''۔

''لیکن ہم نے ان کے ہاتھ ان کے منہ کی طرف جاتے نہیں دیکھے'' ۔محمود بولا۔

''ہاں! یہی بات ہے''۔فرزانہ نے کہا۔

''البتہ''۔فاروق یہ کہتے ہوئے عجیب انداز میں مسکرایا۔

''البتہ کیا؟''

''ارے ارے۔۔۔ساسانی صاحب۔۔۔آپ ردی کی اس ٹوکری کی طرف کیوں بڑھ رہے ہیں۔۔۔شاید اس میں کچھ پھینکنے کا۔۔۔''

ساتھ ہی فاروق تڑ سے گرا۔۔۔ادھر محمود نے ٹانگ گھمائی۔۔۔اس کا پیر ساسانی کے منہ پر لگا۔۔۔وہ الٹ گیا۔

''ارے ارے۔۔۔یہ کیا بھئی۔'' اکرام گھبرا اٹھا۔

''میں بال بال بچا ہوں۔۔۔ورنہ اس نے مجھ پر بھی بلو پائپ سے سوئی پھینک ماری تھی۔۔۔اسی نے ان تینوں کو ہلاک کیا ہے۔

''ہاں! اصل مجرم یہی ہے۔۔۔وزیر جیل خانہ جات کا قریبی رشتے دار۔۔۔لہٰذا سپرنٹنڈنٹ کو اس کی ہدیات ماننا پڑتی تھیں۔۔۔پھر یہ ہر ماہ اچھی بھلی رقم بھی اسے دے دیتا ہو گا''۔

''لیکن کیوں۔۔۔یہ شخص ان لوگوں سے کیا کام لیتا تھا؟''

"یہ قیدی شارجستان کے ہیں۔۔۔اور ان سے کام لینے والا بھی ظاہر ہے شارجستان کا ہوگا۔۔۔دلاور ساسانی وزیر کا قریبی رشتہ دار بھی ہے۔۔۔بڑی بڑی سرکاری دعوتوں میں شامل ہوتا ہے۔۔۔وہاں سے یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔۔۔وہ ان قیدیوں کے ذریعے شارجستان بھیج دیتا ہے۔۔۔قیدیوں سے اور بھی ملک دشمنی کا کام لیتا ہوگا۔۔۔مثلاً کسی محب وطن کو ان کے ذریعے ٹھکانے لگوا دیا۔۔۔شہر میں کہیں دھماکے کروا دیے۔۔۔اور دھماکے کرنے کے بعد یہ لوگ پھر جیل میں داخل ہو جاتے ہیں۔لہٰذا دھماکے کرنے والے ملیں تو کیسے آخر شہر میں اتنے عرصے سے دھماکے ہو رہے ہیں۔۔۔ایک مجرم بھی آج تک پکڑا نہیں گیا۔۔۔اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ یہ لوگ وارداتیں کرنے کے بعد جیل پہنچ جاتے ہیں۔۔۔اور پولیس جیل سے باہر دھماکے کرنے والوں کو تلاش کرتی رہتی ہے۔۔۔

ان کا سرغنہ یہ دلاور ساسانی ہی ہے''۔

''اور سرفراز حمید کیوں مارا گیا؟''

''وہ ہیڈ کانسٹیبل بہت ایماندار تھا۔۔۔ایمانداری کی وجہ سے رشوت خور عملہ اسے کبھی کہیں کبھی کہیں ٹرانسفر کروا دیتا تھا۔۔۔آخر تنگ آکر اسے جیل میں لگا دیا گیا۔۔۔لیکن وہاں اس نے یہ بات معلوم کر لی کہ جیل کے کچھ خطرناک قیدیوں کو رات کے وقت جیل سے نکال دیا جاتا ہے۔۔۔اور ان سے وارداتیں کروائی جاتی ہیں۔۔۔وہ یہ اطلاع مجھے دینا چاہتا تھا۔۔۔ادھر سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اس پر شک ہو چکا تھا۔۔۔اس نے اس وقت وہاں پہنچ کر اسے ختم کر دیا۔۔۔جب وہ مجھے فون کر رہا تھا۔۔۔یہ بھی ہوسکتا کہ یہ کام جیل کے کسی جنگی قیدی سے لیا گیا ہو۔۔۔ویسے یہ کاغذ اس بات کو ثبوت ہے کہ یہ کام سپرنٹنڈنٹ فوزی نے خود کیا تھا''۔

یہ کہہ کر انہوں نے خون سے لکھا ہوا کاغذ نکالا۔۔۔اس پر نامکمل الفاظ لکھے تھے۔بیل کا سانپ۔

''یہ بیل کا سانپ نہیں۔۔۔جیل کا سپرنٹنڈنٹ ہے۔۔۔مرتے ہوئے آدمی سے جو لکھا جا سکا۔۔۔اس نے لکھ دیا''۔

''اوہ۔۔۔اوہ'' ان کے منہ سے نکلا۔

''دلاور سا سانی۔۔۔آپ اپنی صفائی میں کچھ کہنا پسند کریں گے۔۔۔یا پھر ہم آپ کی تلاشی لے کر بلو پائپ کی سوئیاں برآمد کر لیں۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی گویا اس کے ہاتھوں پیروں کی جان نکل گئی۔۔۔اور وہ زمین پر گرتا چلا گیا۔۔۔اکرام کے ماتحتوں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔

اسی شام عادل فیروز وزیر جیل خانہ جات کا فون انہیں موصول

ہوا۔۔وہ کہہ رہے تھے۔

''انسپکو جمشید۔۔۔آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔۔۔آپ نے بہت اہم مجرم پکڑا ہے۔۔۔وہ اگرچہ میرا رشتہ دار ہے۔۔۔لیکن یہ باتیں سامنے آنے پر اب وہ میرا رشتے دار نہیں رہا''۔

''آپ کے الفاظ سن کر خوشی ہوئی سر''۔انسپکٹر جمشید بولے۔

''شکریہ''۔یہ کہہ کر دوسری طرف سے رسیور رکھ دیا گیا۔

اسی وقت پھر فون کی گھنٹی بجی۔۔۔اس بار خان رحمان تھے۔۔۔وہ بھی مبارکباد دے رہے تھے۔۔۔ان سے فارغ ہوئے تو پروفیسر داؤد کا مبارک باد کا فون آگیا۔ابھی فون بند ہوا ہی تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔۔۔اس پر فاروق نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے۔۔۔یہ دن تو بس فون سننے میں ہی بسر ہو جائیگا''

اور وہ مسکرانے لگے۔۔۔ایسے میں انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ارے۔۔۔وہ جنرل سودے والا تو رہ گیا"۔

"جی۔۔۔کیا مطلب۔۔۔جنرل سودے والا"۔

"ہاں۔۔۔وہ حوالات میں ہے۔۔۔وہ مجھ سے ایک سودا کرنے آیا تھا۔۔۔آؤ۔۔۔میں راستے میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔۔۔پھر ہم اس سے سوالات کریں گے۔۔۔آخر اس کا باس کون ہے۔۔۔جو شہر کے پولیس آفیسرز کو خرید لیتا ہے"۔

"خرید لیتا ہے۔۔۔کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

اور وہ کار میں بیٹھ گئے۔۔۔اب وہ دفتر کی طرف جا رہے تھے اور ساتھ ہی انہیں جنرل سودے کے بارے میں بتا رہے تھے۔



انوار غائب:

"السلام علیکم جمشید۔۔۔فوراً میرے گھر آ جاؤ۔۔۔میں بہت پریشان

ہوں۔۔۔اور مجھ سے زیادہ میری بیگم پریشان ہیں"۔

"خیر تو ہے سر۔ انسپکٹر جمشید آئی جی شیخ نثار احمد کی آواز سن کر گھبرا گئے۔

"بس تم جاؤ"۔

ریسیور رکھ کر انہوں نے گھڑی دیکھی۔۔۔شام کے سات بج رہے تھے۔۔۔محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت مطالعے کے کمرے میں تھے۔۔۔یہ ان کے مطالعے کا وقت تھا۔

"آئی جی صاحب کسی پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔۔۔میں ان کے ہاں جا رہا ہوں"۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔۔۔تاکہ چاروں سن لیں۔

"تب پھر ہم بھی چلیں گے"۔ محمود نے کہا۔

"اگرچہ انہوں نے ہم تینوں کے بارے میں نہیں کہا، پھر بھی تم چلے

چلو۔۔۔تمہاری ضرورت نہ ہوئی تو واپس آ جانا"۔

""ٹھیک ہے"۔تینوں ایک ساتھ بولے۔

وہ اسی وقت آئی جی صاحب کے ہاں پہنچے۔۔۔شیخ صاحب بے تابانہ انداز میں ٹہل رہے تھے۔۔۔جب کہ ان کی بیگم دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

""السلام علیکم سر۔۔۔معلوم ہوتا ہے۔کوئی بہت سنجیدہ بات ہوگئی ہے"۔

""کوئی ایسی ویسی جمشید۔۔۔میرا بڑا بیٹا گم گیا ہے"۔

""جی۔۔۔کیا فرمایا۔۔۔آپ کا بڑا بیٹا گم ہو گیا ہے"۔

""ہاں جمشید۔۔۔خدا کیلئے جلدی کچھ کرو"۔

""مہربانی فرما کر اطمینان سے پوری بات بتائیے"۔وہ بولے۔

""وہ کالج سے گھر نہیں آیا۔۔۔ہر طرف تلاش کر چکا ہوں"۔

''اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔

''اس کی ماں پر تو سکتے کا عالم طاری ہے۔۔۔اب میں کیا کروں''۔

وہ بولے۔

''آپ سب طرف فون کر چکے ہیں''۔

''ہاں بالکل۔۔۔میں نے کوئی عزیز نہیں چھوڑا جسے فون نہ کیا ہو۔۔۔کوئی دوست نہیں چھوڑا۔۔۔غرض ہر طرف معلوم کر چکا ہوں۔۔۔لیکن اس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں''۔

''بہت بہتر۔۔۔آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔ہم ایک یا زیادہ دو دن کے اندر انہیں تلاش کر لیں گے۔۔۔آپ ہمیں انکے کمرے تک لے چلیں''۔

''کمرے تک۔۔۔لیکن جمشید۔۔۔تم کمرہ دیکھ کر کیا کرو گے۔۔۔کیا اس کی گمشدگی کا اندازہ اس کے کمرے سے لگاؤ گے''۔

شیخ صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ جانتے ہیں سر۔۔۔ہمارے طریقے ذرا مختلف ہیں''۔

''اوہ ہاں۔۔۔خیر آؤ''۔

وہ انہیں انور کے کمرے میں لے آئے۔۔۔وہاں ہر چیز ترتیب سے موجود تھی۔۔۔کتابوں کے ریک میں کتابیں بہت سلیقے سے لگائی گئی تھیں۔۔۔وہ ایک ایک کتاب کو دیکھنے لگے۔۔۔کتاب ریک سے نکالتے اس کا نام پڑھتے اور ریک میں رکھ دیتے۔

''آخر تم کیا دیکھ رہے ہو جمشید؟''

''آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔بلکہ آپ آرام کریں۔۔۔بیگم صاحبہ کو تسلی دیں۔۔۔کہ ہم انہیں جلد تلاش کر لیں گے''۔

''اچھا تو پھر میں چلتا ہوں۔۔۔مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا''۔

''جی ہاں۔۔۔ضرور''۔انہوں نے سر ہلا دیا۔

ان کے جانے کے بعد وہ ہر ہر چیز کا جائزہ لیتے رہے۔۔۔انسپکٹر جمشید کی توجہ کتابوں پر تھی۔

''صبح اس کے دوستوں سے ملنا پڑے گا۔۔۔کالج جا کر۔۔۔اس سے پہلے شاید ہم کچھ نہیں کر سکتے''۔

''لیکن اب آپ شیخ صاحب سے کیا کہیں گے''۔

''انہیں صرف دلاسہ ہی دے سکتا ہوں آؤ چلیں''۔

وہ باہر نکل گئے۔۔۔شیخ صاحب اسی طرح ٹہل رہے تھے اور بیگم صاحبہ بھی اسی انداز میں بیٹھی تھیں۔۔۔انہیں دیکھ کر ان کا ٹہلنا بند ہو گیا۔۔۔بیگم صاحبہ بھی بے چین ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ہاں جمشید۔۔۔کچھ معلوم ہوا؟''

''ابھی تک نہیں۔۔۔صبح اس کے کالج کے دوستوں سے ملاقات کروں گا اور انشاءاللہ ہم اس کے ساتھ ہی تلاش کر دیں گے۔۔۔

آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔

"اسکا مطلب ہے۔۔۔تم اس کے مطالعے کے کمرے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے"۔ وہ مایوسانہ انداز میں بولے۔

"یہ بات نہیں سر۔۔۔میں نے کسی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔۔۔لیکن ابھی اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔۔۔آپ جانتے ہی ہیں۔۔۔یہ میری خاص عادت ہے"۔

"لیکن جمشید یہ میرے بیٹے کا معاملہ ہے"۔

"میرا اس وقت آپ کو کچھ بتانا ڈھارس نہیں دے گا۔۔۔آپ خیال کریں گے کہ میں ہوا میں فائر کر رہا ہوں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔اللہ مالک ہے۔۔۔تم اپنے طریقے کے مطابق کام کرو"۔ انہوں نے کہا اور وہ دلوں پر بوجھ لئے وہاں سے نکل آئے۔

دوسرے دن وہ صبح کالج پہنچ گئے۔۔۔پرنسپل سے ملاقات کی۔۔۔

وہ انہیں دیکھتے ہی بولے۔

''میں جانتا ہوں۔۔۔آپ انوار کے سلسلے میں آئے ہیں۔۔۔ہم

خود پریشان ہیں۔۔۔اور حیران ہیں۔۔۔وہ تو اتنا اچھا بچہ ہے کہ کیا

بتاؤں کسی غیر ذمہ دار حرکت کی تو اس سے امید ہی نہیں''۔

''خیر۔۔۔میں اس کے کالج کے دوستوں سے ملنا چاہتا ہوں''۔

''آیئے۔۔۔پوری کلاس ہی اس کی دوست ہے۔۔۔بلکہ کلاس کے

پروفیسر صاحب تک اس کے بہت اچھے دوست ہیں''۔

''شکریہ''وہ بولے۔

اب وہ کلاس روم میں آئے۔۔۔چہرے پر نورانی داڑھی لئے ایک

نوجوان آدمی کلاس کو پڑھا رہے تھے۔

''یہ حافظ عبدالعزیز صاحب تھے۔۔۔اس کلاس کے انچارج۔۔۔

اور باقی کلاس بھی آپ کے سامنے ہی ہے۔۔۔آپ لوگ بھی اس کی طرف توجہ فرمائیں۔۔۔یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔۔۔یہ ان کے بچے ہیں۔۔۔محمود' فاروق اور فرزانہ۔۔۔آپ لوگوں سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں"۔

"جی فرمایئے"۔حافظ عبدلعزیز بولے۔

"آئی جی صاحب کے بیٹے انوار صاحب کو جانتے ہیں آپ؟"

"بہت اچھی طرح"۔وہ ایک ساتھ بولے۔

"آپکے خیال میں وہ کیسے طالب علم ہیں؟"

"بہت اچھے۔۔۔ہر لحاظ سے۔۔۔ان سے کبھی کسی کو شکایت نہیں ہوئی"۔

"کیا وہ پہلے بھی کبھی اس طرح غائب ہوتے ہیں؟"

"جی نہیں۔۔۔یہ پہلا موقع ہے"۔

''آپ کھڑے ہو جائیں''۔انہوں نے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکا گھبرائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''آپ انوار کے زیادہ قریب تھے۔۔۔یہی بات ہے نا''۔

''جی۔۔۔جی ہاں۔۔۔لیکن آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا۔۔۔یا پھر یہ بات آپ کو کس نے بتائی ہے۔

''ہم کالج میں داخل ہونے کے بعد صرف پرنسپل صاحب سے ملے ہیں' اور وہ ہمیں یہاں لے آئے ہیں۔

''اس کا مطلب ہے۔۔۔یہ آپ کا اندازہ ہے''۔

''بالکل! لیکن میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں''۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔انوار میرے ساتھ ہی بیٹھتا ہیں۔۔۔

اور کلاس میں سب سے زیادہ مجھ سے دوستی رکھتے ہیں''۔

''آپ کا نام؟'' وہ بولے۔

''شاکر جیلانی'' اس نے کہا۔

''انوار صاحب آپ کو ضرور کچھ بتا کر گئے ہوں گے''۔ انسپکٹر جمشید نے اس پر نظریں جما دیں۔

''جی نہیں۔۔۔کوئی ایسی بات نہیں ہوئی''۔

''پروفیسر صاحب۔۔۔آپ کسی معلومات میں کوئی اضافہ کر سکتے ہیں''۔

''جی نہیں۔۔۔مجھ سے تو انوار نے کوئی بات کی ہی نہیں۔۔۔اور یہ پہلا موقع ہے۔۔۔جب وہ کالج سے غیر حاضر ہوئے ہیں''۔

''ہوں! ہمیں ایک بار پھر انوار کے کمرے کا جائزہ لینا ہو گا۔۔۔آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔۔۔شاید ہم آپ کو زحمت دیں''۔

''ہم ہر خدمت کے لئے تیار ہیں''۔ حافظ عبدالعزیز بولے۔

اور وہ کالج سے نکل آئے۔۔۔آئی جی صاحب انہیں گھر میں ہی ملے انہوں نے پرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہم کام شروع کر چکے ہیں۔۔۔آپ فکر نہ کریں۔۔۔ایک بار پھر ہمیں انوار صاحب کا کمرہ دیکھنا ہے''۔

''جائیں۔۔۔دیکھ لیں۔۔۔کمرہ کھلا ہے''۔شیخ صاحب نے اداس انداز میں کہا۔

وہ اس کمرے میں داخل ہوئے۔۔۔اس کی تمام کتابیں' کاپیاں، نوٹ بوکس اور ڈائریاں دیکھ ڈالیں' لیکن کہیں بھی سراغ نظر نہ آیا۔

''ایک دو دن پہلے کی مصروفیات بتا سکتے ہیں آپ انوار صاحب کی'' وہ باہر نکل کر آئی جی صاحب سے بولے۔

''پرسوں اور کل وہ کچھ دیر سے گھر لوٹا تھا اور بس' لیکن ہم نے اس سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' اس لئے کہ تھوڑی بہت دیر ہونا کوئی ایسی بات نہیں''۔

''اس کا مطلب ہے۔۔۔وہ کالج ٹائم کے بعد کہیں گئے تھے''۔

''ہم کیا کہہ سکتے ہیں''۔شیخ صاحب بولے۔

''ہمیں ان کی چند تصاویر دے دیں۔۔۔بالکل سامنے کے پوز والی۔۔۔کسی دوسرے شہر میں آپ کے کوئی دوست رہتے ہیں تو ان سے بھی فون پر معلوم کر لیں''۔

انسپکٹر جمشید کی اس بات پر شیخ نثار نے نفی کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''شام نگر میں میرے ایک گہرے دوست ہیں۔۔۔میں پہلے ہی فون کر چکا ہوں۔۔۔اب پھر کر لیتا ہوں''۔

انہوں نے اپنے دوست کے نمبر ملائے اور پھر سلسلہ ملنے پر بولے۔

''ہیلو کاشانی صاحب۔۔۔شیخ نثار احمد بات کرر ہا ہوں''۔

''کیا انوار مل گیا؟'' دوسری طرف کہا گیا۔

''جی نہیں۔۔۔اس کا مطلب ہے۔۔۔وہ اس طرف نہیں آیا''۔

''نہیں''۔اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

جونہی انہوں نے رسیور رکھا۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ سب یک دم چونک اٹھے۔



دوسرا بریف کیس:

''ایک منٹ سر۔۔۔میرا خیال ہے'یہ فون اسی اغوا کے سلسلے میں ہے'

لہٰذا یہ مجھے سننے دیں''۔انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

''اچھی بات ہے'' وہ بولے۔

انہوں نے ریسور اٹھا کر کان سے لگالیا۔۔۔ساتھ ہی ایکس چینج کو خبردار کرنے کے لئے ایک بٹن دبا دیا۔

''جی فرمایئے''۔انہوں نے آئی جی صاحب کی آواز منہ سے نکالی۔

''آئی جی شیخ نثار احمد کو ریسور دیں''۔

''اور آپ کے خیال میں میں کون ہوں؟'' وہ حیران ہو کر بولے۔

''انسپکٹر جمشید دوسری طرف سے کہا گیا۔

''بہت خوب! کافی معلومات ہیں آپ کو۔۔۔مجھ سے بات کر لیں''۔

''نہیں! آئی جی صاحب کے بیٹے کا معاملہ ہے۔۔۔بات بھی انہیں سے ہوگی''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔یہ لیجئے سر۔۔۔یہ صاحب آپ سے ہی بات

کرنا چاہتے ہیں''۔

انہوں نے پریشانی کے عالم میں رسیور لے لیا۔

''شیخ نثار احمد بات کر رہا ہوں''۔

''بہت خوب! اب واقعی آپ بات کر رہے ہیں۔۔۔آپ کو اپنا بیٹا

چاہیے''۔

''جلدی بتائیں۔۔۔کہاں ہے وہ''

''میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔

''تو پھر بتائیں''۔انہوں نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

''ایسے نہیں۔۔۔صرف یہ بتانے کے پچیس لاکھ۔۔۔چھڑا کر آپ

خود لائیں گے اور اس سلسلے میں آپکو کیا خرچ کرنا پڑے گا۔۔۔وہ

آپ جانیں، اغوا کرنے والے جانیں''۔

''ٹھیک ہے۔۔۔تمہیں پچیس لاکھ مل جائیں گے۔۔۔جلدی

بتاؤ''۔

''میں اتنا احمق نہیں شیخ صاحب''۔

''کیا مطلب وہ بولے؟''۔

''پچیس لاکھ پہلے۔۔۔اطلاع بعد میں''۔وہ ہنسا۔

''اب کیا کریں جمشید''۔

''بات طے کرلیں'' انسپکٹر جمشید نے پرسکون انداز میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔۔۔بتاؤ۔۔۔تم کیا چاہتے ہو۔۔۔ادائیگی کس طرح ہو؟''

''پچیس لاکھ روپے ایک بریف کیس میں بھر کر شمالی پہاڑوں میں لے آئیں۔۔۔ایک چٹان پر ٹارچ کی روشنی نظر آئے گی۔۔۔بریف کیس اس چٹان پر رکھ کر واپس اپنے گھر چلے جائیں۔۔۔جونہی یہاں پہنچیں گے' آپ کو بتا دیا جائے گا۔۔۔کہ بیٹا کہاں ہے''۔

”اچھی بات ہے۔۔۔بریف کیس وہاں کتنے بجے تک پہنچ جانا چاہیے“۔آئی جی بولے۔

”اس وقت رات کے نو بجے ہیں۔۔۔ٹھیک ایک گھنٹے بعد رقم وہاں پہنچ جائے“۔

”اچھی بات ہے“۔

ریسیور رکھ کر وہ اس کی طرف مڑے۔

”جمشید! میرے پاس پچیس لاکھ روپے نہیں ہیں“۔

”آپ فکر نہ کریں“۔

انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ملائے۔۔۔جلد ہی پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

”نگرانی والا بریف کیس۔۔۔آئی جی صاحب کے گھر“

”میں سمجھ گیا جمشید“۔دوسری طرف سے پروفیسر داؤد نے کہا۔

اب انہوں نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیئے ان کی آواز سن کروہ بولے۔

''پچیس لاکھ۔۔۔آئی جی صاحب کے گھر''۔

''پہنچے سمجھو''۔خان رحمان بولے۔

صرف پندرہ منٹ میں پروفیسر داؤد اور خان رحمانی وہاں پہنچ گئے۔۔۔نوٹوں کی گڈیاں پروفیسر داؤد کے لائے ہوئے بریف کیس میں رکھ دی گییں۔

''اس نے یہ شرط تو نہیں لگائی کہ بریف کیس لے کر کون آئے''۔

''نہیں۔۔۔صرف اتنا کہا کہ ٹارچ والی چٹان پر بریف کیس رکھ دیا جائے''۔

''بہت خوب! تب یہ بریف کیس میں لے کر جاؤں گا''۔

''جمشید۔۔۔میں چاہتا ہوں۔۔۔پہلے بچے کا سراغ مل

جائے۔۔۔ہم اس تک پہنچ جائیں۔۔۔اس کے بعد تم ان کی تلاش شروع کرنا‘‘۔

’’آپ فکر نہ کریں سر۔۔۔بالکل ایسا ہی ہوگا۔۔۔اس بریف کیس کے ذریعے تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ مجرم کہاں ہیں۔۔۔سو ہم اس ایریے کی نگرانی شروع کرا دیں گے‘‘۔

’’بالکل ٹھیک‘‘ انہوں نے کہا۔

’’میرا خیال ہے۔۔۔بریف کیس میں اکیلا لے جاؤں گا۔۔۔میرے ساتھ محمود فاروق اور فرزانہ تک نہ ہوں گے‘‘۔

’’جیسے تمہاری مرضی‘‘۔شیخ صاحب بولے۔

اور پھر وہ بریف کیس لے کر روانہ ہو گئے۔۔۔ایک گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی۔۔۔اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

’’بریف کیس پہنچ گیا۔۔۔لیکن میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا‘‘۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔

''وجہ؟'' آئی جی بولے۔

''وجہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔۔۔یہ بریف کیس عام نہیں ہے۔۔۔جہاں جائے گا۔۔۔آپ کو اطلاع دیتا جائے گا۔۔۔گویا آپ اس طرح مجھ تک پہنچ جائیں گے۔۔۔لیکن میں بچہ نہیں ہوں۔۔۔آپ کو اگر اپنے بیٹے کا سراغ چاہیے۔۔۔تو پھر سیدھے سادے بریف کیس میں پچیس لاکھ لے آئیں۔۔۔میں آپکو بتا دوں گا''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔ایک منٹ ہولڈ کریں''۔

اس دوران وہ ایکس چینج کا نمبر دبا چکے تھے۔۔۔انہوں نے سوالیہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔ہم دوسرے بریف کیس میں پچیس لاکھ لا رہے

ہیں۔۔۔وہ بریف کیس وہیں رہنے دیا جائے۔۔۔نیا بریف کیس رکھ کر یہ والا میں وہاں سے اٹھا لاؤں گا۔۔۔اس سے پوچھ لیں۔۔۔میرے آنے پر اسے کوئی اعتراض تو نہیں ہے"۔

"انسپکٹر جمشید بریف کیس لے کر آ سکتے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"بالکل لا سکتے ہیں۔۔۔پہلے بھی یہی لائے تھے۔۔۔میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا"۔اس نے شوخ آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔یہ دوسرا بریف کیس لا رہے ہیں"۔

"شکریہ۔۔۔جلدی کریں۔۔۔کہیں آپ کا بیٹا بہت دور نہ نکل جائے"۔

"نن نہیں۔۔۔نہیں"۔آئی جی صاحب کانپ گئے۔

اور پھر انسپکٹر جمشید بریف کیس لے کر وہاں پہنچے۔۔۔چٹان پر ٹارچ روشن تھی۔۔۔پہلا بریف کیس وہاں جوں کوطوں موجود تھا۔۔۔

انہوں نے اس کو اٹھالیا اور دوسرا وہاں رکھ دیا۔۔۔اب وہ واپس لوٹے۔۔۔انہوں نے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔۔۔ آئی جی صاحب کے بیٹے کا معاملہ تھا۔۔۔اگر کبھی انہوں نے محمود وغیرہ کو اغوا کیا ہوتا تو وہ اس طرح وہاں سے واپس ہرگز نہ لوٹتے۔۔۔گھر پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''حیرت ہے۔۔۔کیا یہ شخص ہمارے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے۔۔۔ادھر میں اندر داخل ہوا۔۔۔ادھر فون آ گیا''۔انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا''۔محمود بولا۔

ادھر آئی جی صاحب فون کا بٹن دبا چکے تھے۔۔۔تا کہ سب گفتگو سن سکیں۔۔۔گفتگو کو رکارڈ کرنے کے لئے ایک بٹن دبایا جا چکا تھا۔

''ہیلو۔۔۔رقم مل گئی ہے۔۔۔شکریہ''۔

”تو پھر اب جلدی سے بتاؤ۔۔۔میرا بیٹا کہاں ہے؟“

”بہت بے چینی ہے“۔دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا۔

”کیا یہ کوئی مذاق کا وقت ہے؟“۔آئی جی چلائے۔

”نہیں۔۔۔میں ایسے ہی ہنس پڑا تھا۔۔۔اب سنئے۔۔آپ کا بیٹا پڑوسی ملک خانستان میں ہے“۔

”کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔اتنی جلدی وہ پڑوسی ملک پہنچ گیا؟“

”ہاں!یا لوگ ادھر اغوا کرتے ہیں۔۔۔ادھر وہاں پہنچا دیتے ہیں‘

”مطلب یہ کہ تم۔

”میں اکیلا نہیں۔۔۔میرے بے شمار ساتھی ہیں۔۔۔ہم تو ان کے حوالے کرنے کے بھی پیسے لیتے ہیں“۔

”کیا مطلب؟وہ بولے“۔

”ان کا ہم سے رابطہ نہیں۔۔۔ہمیں فون پر بتا دیتے ہیں۔۔۔اٹھارہ

بیس سال کی عمر کے دس بچے چاہیں۔۔۔یا بیس بچے چاہیں۔۔۔ بس ہم پکڑ دھکڑ کرانہیں بچے سپلائی کر دیتے ہیں۔۔۔فی بچہ ایک لاکھ مل جاتا ہے"۔

"اور تم نے ہم سے ایک بچے کا پتا بتانے کے پچیس لاکھ لے لئے"۔

"بچے بچے میں فرق ہے۔۔۔کسی بچے کی قیمت دس ہزا ابھی نہیں ملتی۔۔۔کسی کے کڑوں مل جاتے ہیں"۔وہ ایک بار پھر ہنسا۔

"اپنی بات کی وضاحت کروں،،۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں۔۔۔آپ اس طرح میرا سراغ لگا لیں گے۔۔۔بلکہ سادہ لباس والے میری طرف دوڑ لگا چکے ہوں گے۔۔۔وہ جان چکے ہیں کہ میں کون سے پبلک فون بوتھ سے بات کرر ہاہوں"۔

"لیکن ابھی بات پوری کہاں ہوئی ہے"۔

”آدھ گھنٹے بعد باقی باتیں بتا سکوں گا۔۔۔بات پوری کرنے کے سلسلے میں اگر مجھے چار فون بوتھ بھی تبدیل کرنا پڑے تو کروں گا“۔

”اچھی بات ہے۔۔۔تم بہت چالاک ہو“۔آئی جی صاحب بولے۔

آدھ گھنٹے بعد پھر فون وصول ہوا۔۔۔بٹن پھر دبا دیا گیا۔۔۔ادھر وہ کہہ رہا تھا۔

”جلدی جلدی بات سن لیں۔۔۔اول تو آپ ٹیپ کر رہے ہوں گے۔۔۔آپ کا بیٹا خانستان میں ہے۔۔۔خانستان کے طویل و عریض پہاڑی سلسلے میں ایک علاقہ ہے۔۔۔جو آپکے ملک کے سرحدی شہر بیران شاہ کیساتھ لگتا ہے۔۔۔بیران شاہ کی پہاڑیوں میں داخل ہوتے ہیں اور تین گھنٹے کا بہت خطرناک راستہ طے کرنے کے بعد وہ علاقہ آتا ہے۔۔۔کہا جاتا ہے کہ اس جگہ مجاہدین کو فوجی تربیت دی جاتی ہے۔۔۔اس ملک کے گوشے گوشے سے نوجوان وہاں

جاتے ہیں۔۔۔فوجی تربیت لیتے ہیں اور محاذ پر بھیج دیے جاتے ہیں۔۔۔یعنی جس اسلامی ملک سے بھی اسلام مخالفوں کی جنگ ہو رہی ہو۔۔۔وہاں ان تربیت لینے والوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔۔۔اور اس طرح نوجوان وہاں لڑتے ہیں۔۔۔آپ کا بیٹا اسی تربیتی کیمپ میں ہے"۔

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے اسے اغوا کیا ہے"۔

"ہاں! اصل کہانی یہی ہے" وہ بولا۔

"اصل کہانی۔۔۔کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔۔۔وہاں بچے اپنی مرضی سے نہیں جاتے۔۔۔اغوا کرائے جاتے ہیں۔۔۔پھر وہاں فوجی تربیت دے کر زبردستی محاذوں پر بھیج دیئے جاتے ہیں"۔

"لیکن یہ تو بہت بڑا ظلم ہے"۔

''اب آپ اسے بڑا ظلم کہیں یا چھوٹا۔۔۔میں نے آپ کے بیٹے کا پتا بتا دیا ہے''۔

''لیکن تم نے ایسا کیوں کیا۔۔۔جب کہ تم ان کے لئے بچے اغوا کرتے ہو''۔انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

''مجھے اچانک رقم کی ضرورت پیش آئی۔۔۔دوسرے یہ کہ اب میں اس کام سے تنگ آچکا ہوں۔۔۔پتا نہیں کتنے والدین کی بددعائیں لینا پڑتی ہیں۔۔۔اس کالج کے وہاں اور بھی کئی لڑکے مل جائیں گے۔۔۔لیکن آپ انہیں کیسے پہچان سکیں گے۔۔۔خیر یہ آپ کا مسئلہ ہے۔۔۔میں نے جو وعدہ کیا تھا پورا کر دیا۔۔۔اب میں یہ کام چھوڑ رہا ہوں۔۔۔آخری بار یہ پچیس لاکھ کما لئے۔۔۔اب باقی زندگی اس کے ذریعے عیش کروں گا۔۔۔وہ۔۔۔ایسے کہ کسی بنک میں۔۔۔ارے مم۔۔۔مگر۔۔۔آپ کے سادہ لباس والے''۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

اب انسپکٹر جمشید نے ایک بٹن دبایا۔

''ہاں بھئی۔۔۔کچھ معلوم ہوا؟''

''سب سے پہلے اس بیگم پورہ کے فون بوتھ نمبر ۵ سے بات کی تھی۔۔۔ہم ابھی وہاں پہنچے بھی نہیں تھے کہ وہ رخصت ہو گیا۔۔۔اس کے پاس کار ہے۔۔۔فون بوتھ کے پاس ہم نے کار کے ٹائروں کے نشانات دیکھے ہیں۔۔۔بالکل ویسے ہی نشانات دوسرے اور تیسرے فون بوتھ کے پاس دیکھے گئے''۔

''بہت خوب۔۔۔دوسرا اور تیسرا فون بوتھ کہاں کا ہے؟''

''ریواز ٹاؤن۔۔۔اور کالا گڑھ''۔

''خوب! اپنا کام جاری رکھو۔۔۔ہم فی الحال خانستان جا رہے ہیں''۔ یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"لیکن ابا جان۔۔۔ہم وہاں کالج کے دوسرے طلباء کو کس طرح پہچانیں گے"۔

"میں پروفیسر حافظ عبدلعزیز سے بات کرتا ہوں"۔

انہوں نے کالج کے نمبر ملائے۔۔۔چوکیدار سے حافظ صاحب کے گھر کے نمبر پوچھے اور پھر فون کیا۔۔۔دوسری طرف حافظ صاحب کی آواز سن کر وہ بولے۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔۔۔کیا آپکے کالج کچھ اور لڑکے بھی غائب ہیں"۔

"ہاں جناب! تقریباً پانچ لڑکے اور غائب ہیں"۔

"آپ ہمیں ان کی تصاویر دے سکتے ہیں۔۔۔ان کا سراغ مل گیا ہے۔۔۔اور ہم خانستان کے تربیتی مرکز جا رہے ہیں"۔

"اوہ۔۔۔تب آپ مجھے ساتھ لے چلیں۔۔۔اگر آپ کو کوئی

اعتراض نہ ہو"۔

"لیکن آپ وہاں جا کر کیا کریں گے"۔

"میں اس کیمپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔اس کی بہت سی کہانیاں سنی ہیں"۔

"تو پھر چلیئے۔۔۔یونہی سہی۔۔۔ہم صبح سویرے روانہ ہوں گے۔۔۔جہاں تک بذریعہ ہوائی جہاز جا سکتے ہیں۔۔۔جائیں گے۔۔۔پھر گاڑی پر سفر کر لیں گے۔

"بالکل ٹھیک" حافظ صاحب بولے۔۔۔رسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے۔

"میں نے بھی اس کیمپ کے بارے میں بہت باتیں سنی ہیں۔۔۔لیکن اس کی اطلاع بالکل نئی ہے۔۔۔یہ کہ وہاں نوجوانوں کو اغوا کر کے لے جایا جاتا ہے۔۔۔اور زبردستی تربیت دی جاتی ہے"۔

''تو پھر آپ نے یہ کیا سن رکھا ہے''۔

''یہ کہ وہاں نوجوان اپنی خوشی سے جاتے ہیں۔۔۔ہاں وہ ایسا ضرور کرتے ہیں۔۔۔کہ اگر ان کے والدین اجازت نہ دیں تو پھر چوری چھپے نکل جاتے ہیں اور وہاں جا کر گھر والوں کو اطلاع دے دیتے ہیں کہ ہم یہاں ہیں۔۔۔آپ پریشان نہ ہوں''۔

''اب یہ تو وہاں چل کر معلوم ہوگا کی چکر کیا ہے'' محمود بولا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔۔۔انہوں نے رسیور اٹھایا تو وہی پر اسرار آدمی دوسری طرف موجود تھا۔



امید:

''تو آپ خانستان جا رہے ہیں''۔

''ہاں! جا رہے ہیں۔۔۔کیا اس پر بھی آپ کو اعتراض ہے''۔

”نہیں۔۔۔میں تو چاہتا ہوں۔۔۔آپ وہاں ضرور جائیں۔۔۔ لیکن ذرا سنبھل کر جایئے گا“۔

”کیوں! کیا بات ہے؟“

”پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ علاقہ آپ کے ملک میں شامل نہیں۔۔۔ دوسری بات یہ کہ تربیت دینے والوں کے پاس بے تحاشا اسلحہ ہے۔۔۔انہوں نے وہاں پہاڑوں کی چٹانوں پر پوزیشنیں لے رکھی ہیں، مارٹر گنیں۔۔۔توپیں۔۔۔اور مشین گنیں وغیرہ ان چوٹیوں پر نصب ہیں۔۔۔وہ میدان آپ کے لئے عام میدان ثابت نہیں ہو گا۔۔۔نہ وہاں آپ کی کوئی پیش جائے گی۔۔۔علاقہ بھی آپ کے ملک میں نہیں ہے۔۔۔آپ اپنی فورس سے وہاں کام نہیں لے سکیں گے۔۔۔ان حالات میں آخر آپ کیا کریں گے۔۔۔سوچا ہے آپ نے؟“ اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''تب پھر۔۔۔آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے''۔

''حملہ۔۔۔ہوائی حملہ۔۔۔اور کوئی طریقہ نہیں''۔

''لیکن ہوائی حملے میں تو ہمارے وہ نوجوان بھی مارے جائیں گے۔۔۔جنہیں اغوا کیا گیا ہے''۔

''تب پھر پہلے جنگی طیاروں کو وہاں منڈلاتے رہنا چاہیے۔۔۔انہیں دھمکی دیں کہ وہ ان کے نوجوانوں کو سرحد کی طرف بھیج دیں۔۔۔جب نوجوان آجائیں تو پھر وہاں حملہ کر دیا جائے''۔

''یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔حیرت ہے۔۔۔آپ اتنے اچھے مشورے دے سکتے ہیں۔۔۔اور ذہن آپ کے ہے مجرمانہ''۔

''اس میں میرے ذہن کا قصور نہیں۔۔۔میں پلا ہی ایسے حالات میں ہوں۔۔۔اچھا بس۔۔۔کہیں آپ کے سادہ لباس والے مجھ تک نہ پہنچ جائیں۔۔۔اور اپنے آخری آمدنی پچیس لاکھ سے بھی نہ

ہاتھ دو بیٹھوں''۔ان الفاظ کے ساتھ اس نے فون بند کر دیا۔

''ہمیں اپنی تیاری مکمل کر لینی چاہیے۔۔۔پتا نہیں وہاں کیا حالات پیش آتے ہیں۔۔۔اگر ہمیں واقعی لڑاکا طیارے منگوانا پڑے تو جنگ کی صورت پیدا ہو جائے گی اور اس صورت میں کچھ بھی ہو سکتا ہے''۔

''فکر نہ کرو جمشید۔۔۔میں تمہارے ساتھ چلوں گا''۔خان رحمان کی آواز سنائی دی۔۔۔اور وہ مسکرانے لگے۔

دوسرے دن وہ ہوائی جہاز کے ذریعے سرحد شہر کے نزدیک ترین ائیر پورٹ پہنچ گئے۔۔۔وہاں ان کے لئے ایک بڑی گاڑی تیار کھڑی تھی۔۔۔یہ گاڑی پتھریلے علاقے میں سفر کرنے کے لئے موزوں ترین تھی۔۔۔چڑائی اور اترائی کا کام آسانی سے کر سکتی تھی۔۔۔وہ اس میں سوار ہو کر سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔اور

پھر ایک چیک پوسٹ پر پہنچ گئے۔

''کیا آپ لوگ خانستان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں''۔ ایک پولیس آفیسر نے ان کے نزدیک آ کر کہا۔

''ہاں بالکل''۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

''آگے بہت خطرناک راستہ ہے۔۔۔ قدم قدم پر خطرہ۔۔۔ گاڑی کبھی بھی اچانک کھائی میں گر سکتی ہے۔۔۔ پھر آگے جنگی مراکز ہیں۔۔۔ وہاں فوجی تربیت دینے کے سلسلے میں دن رات گولہ باری ہوتی رہتی ہے۔۔۔ بموں کے دھماکے ہوتے ہیں۔۔۔ راکٹ لانچروں کے دھماکے ہوتے ہیں۔۔۔ مارٹر گنیں۔۔۔ اور مشین گنیں چلتی ہیں۔۔۔ لہٰذا ہمارا مشورہ یہی ہے کہ آگے نہ جائیں۔۔۔ یہیں سے لوٹ جائیں''۔

''مجبوری ہے۔۔۔ ہمارے کچھ نوجوان اس طرف لائے گئے ہیں۔

سنا ہے انہیں اغوا کر کے لایا گیا ہے"۔

"ایسی حرکتوں کے بارے میں سننے میں ضرور آتا رہتا ہے۔۔۔لیکن آج تک تصدیق نہیں ہو سکی۔۔۔ان مراکز کا کہنا ہے کہ یہ لوگ یہاں آتے ہیں۔۔۔اپنی مرضی سے آتے ہیں۔۔۔زبردستی یا اغوا کر کے ہرگز نہیں لائے جاتے۔۔۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض نوجوان والدین کو بتائے بغیر آتے ہیں۔۔۔وہ بھی اس لئے کہ والدین اجازت نہیں دیتے۔۔۔اب جن بچوں کو فوجی تربیت لینے کا حد درجے شوق ہوتا ہے اور وہ جہاد میں بھی حصہ لینے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔۔۔وہ گھر سے نکل آتے ہیں۔۔۔ایسے نوجوانوں کی وجہ سے اغوا وغیرہ کی رپورٹیں درج کراتے ہیں"۔

"آپ کا شکریہ۔۔۔لیکن ہمیں جانا ہو گا۔۔۔آپ ہمارے کاغذات چیک کر لیں"۔

کاغذات چیک کر واکر وہ آگے بڑھ گئے۔۔۔اب ان کے دل دھڑکنے لگے۔۔۔آہستہ آہستہ راستے پرخطرہ ہوتا چلا گیا۔۔۔اور پھر تو اونچائیاں اور چڑھائیاں اس قدر خوف ناک ہو گئیں کہا انہیں ہر لمحے یوں محسوس ہونے لگا جیسے کہ ان کی گاڑی اب الٹی کہ اب الٹی۔۔۔اب کسی کھائی میں گری کہ اب گری۔۔۔جونہی انہیں خوف محسوس ہونے لگتا۔۔۔وہ آیت الکرسی پڑھنے لگتے۔۔۔درود شریف پڑھنے لگتے اور جب ذرا سیدھا راستہ نظر آتا تو ان کی جان میں جان آجاتی یوں تو انہوں نے اپنی زندگی میں انگت پہاڑی سفر کئے تھے۔۔۔لیکن وہ سفر اس حد تک خطرناک نہیں تھے۔۔۔ایک جگہ تو ان کی گاڑی لڑھکتے لڑھکتے بچی۔۔۔ایک ٹائر کے نیچے بالکل گول پتھر آ گیا تھا۔۔۔اس کی وجہ سے وہ کھائی کے کنارے تک لڑھک آئی۔۔۔لیکن اسی وقت انسپکٹر جمشید نے بریک لگا دی۔

''اس قدر جھٹکوں والا سفر ہم پہلی بار کر رہے ہیں''۔محمود بڑ بڑایا۔

''لیکن آرہا ہے مزا''۔فاروق مسکرایا۔

''کک۔۔۔فرمایا۔۔۔مزا آرہا ہے'' حافظ عبدالعزیز نے بوکھلا کر کہا۔

''تو کیا آپ کو مزا نہیں آرہا''۔

''نن نہیں''۔وہ ہکلائے۔

''اچھا تو پھر آپکو کیا آرہا ہے''۔

''مم۔۔۔میں۔۔۔کچھ کہہ نہیں سکتا۔۔۔کچھ آرہا یا جارہا ہے'' وہ بولے۔

باقی لوگ مسکرانے لگے۔

تین گھنٹوں کے اس سفر نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔۔۔انہیں کئی بار رک کر راستہ بھی پوچھنا پڑا۔۔۔اور پھر انہیں ایک جگہ روک لیا گیا۔۔۔

سڑک کے دونوں طرف سپاہی کلاشن کوفس لئے کھڑے تھے۔

''ہاں جناب! کدھر کا ارادہ ہے؟''

''ہمیں تربیتی مرکز تک جانا ہے''۔

''آپ کن کے ذریعے آئے ہیں؟'' پوچھا گیا۔

''کن کے ذریعے۔۔۔کیا مطلب؟'' انسپکٹر جمشید چونکے۔

''آگے ہمارے تربیتی مراکز ہیں' آپ لوگ نہیں جا سکتے۔۔۔صرف وہ لوگ جا سکتے ہیں۔۔۔جن کے پاس اجازت نامہ ہو''۔

''اور یہ اجازت نامہ کس کی طرف سے ہوتا ہے''۔

''آپ کے ملک کے ہر شہر میں ہمارہ دفتر ہے۔۔۔اس دفتر کی طرف سے اجازت نامہ ہونا چاہیے''۔

''اس کام کے لئے تو ہمیں واپس دارالحکومت جانا پڑے گا۔۔۔اور ہم بہت تکلیف دہ سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں۔۔۔لہٰذا آپ کوئی

اور پہلو نکالیں‘‘۔

’’یہ ہمارا کام نہیں۔۔۔ ہمارا کام تو بس اتنا ہے کہ اجازت نامہ دیکھ کر لوگوں کو آگے جانے دیں یا روک لیں‘‘۔

’’آپ کے یہاں انچارج کون ہیں؟‘‘

’’یہاں انچارج نہیں۔۔۔ امیر ہوتے ہیں۔۔۔ اور ہمارے امیر کا نام ہے فاروق احمد‘‘۔

’’فاروق احمد‘‘۔ فاروق نے چونک کر کہا۔

’’ہاں جناب! یہی نام ہے ان کا‘‘۔

’’آپ انہیں ہمارا پیغام تو دے سکتے ہیں‘‘۔

’’ضرور کیوں نہیں۔۔۔ یہ ہو سکتا ہے‘‘۔

’’بہت بہت شکریہ‘‘۔ انہوں نے کہا اور جیب سے کاغذ قلم نکال کر گاڑی میں بیٹھے بیٹھے پیغام لکھنے لگے۔۔۔ پیغام لکھ کر انہوں نے ان

میں سے ایک کو دیا اور بولے۔

''یہ ان تک پہنچا دیں۔۔۔ہم جواب کا انتظار کریں گے''۔

''مرکز یہاں سے آدھ گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔۔۔آپکو ایک گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا''۔

''کوئی بات نہیں جناب! ہم اس کام کے عادی ہیں''۔فاروق مسکرایا۔

''جی۔۔۔کس کام کے؟''

''انتظار کرنے کے آپ تشریف لے جائیں''۔

وہ چلا گیا۔۔۔باقی فوجی چوکس کھڑے رہے'ڈیڑھ گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی۔

جس وقت میں وہاں پہنچا۔۔۔ظہر کا وقت تھا۔۔۔تمام مجاہدین نماز پڑھ رہے تھے۔۔۔نماز کے بعد امیر کا پندرہ بیس منٹ کا وعظ ہوتا

ہے۔۔۔لہٰذا وعظ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے آپ کا پیغام انہیں دیا تھا۔۔۔ان کا جواب یہ میں لے آیا ہوں۔۔۔آپ کو سیدھا ان تک پہنچانے کی اجازت ملی ہے۔۔۔آپ کسی اور سمت میں جانے کی کوشش نہ کیجئے گا''۔

''او کے۔۔۔آپ فکر نہ کریں''۔

''میں آپ کے ساتھ جاؤں گا اور آپ کو ان تک پہنچاؤں گا''۔

''ٹھیک ہے''۔

اور پھر ان کا سفر ایک بار پھر جاری ہو گیا۔۔۔ایسے میں ان کے کانوں میں فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔۔۔یہ آوازیں کلاشن کوفوں، مارٹر توپوں، اینٹی ایئر کرافٹ گنوں، راکٹ لانچروں اور مشین گنوں کی تھیں۔۔۔پوری وادی ان آوازوں سے گونج رہی تھی۔

''یہ تو ایسا لگتا تھا۔۔۔جیسے یہاں جنگ ہو رہی ہو''۔

بائیں طرف ایک کمرہ تھا۔

"امیر اس کمرے میں ہیں۔۔۔آپ لوگ میرے پیچھے آئیں۔۔۔ آپ میں سے کسی کے پاس کوئی پستول وغیرہ تو نہیں ہے"۔

"ہاں! وہ تو ہیں"۔

"امیر کے پاس سے جانے سے پہلے آپ اپنا اسلحہ جمع کرانا ہوگا۔۔۔ مسجد کے دائیں طرف اسلحہ خانہ ہے۔۔۔اس کے انچارج کے پاس جمع کروادیں۔۔۔کیونکہ ہم لوگوں کو آپکے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ کون ہیں؟"

"لیکن میں نے اپنے پیغام میں اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف کرا دیا ہے"۔انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"اس تعارف کی بنیاد پر ہی آپکو ملاقات کی اجازت ملی ہے۔۔۔ ورنہ اس طرح آنے والوں سے امیر ملاقات نہیں کرتے۔۔۔انہیں

وہیں سے واپس کر دیا جاتا ہے۔۔۔جہاں آپ کو روکا گیا تھا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ہم اپنا اسلحہ جمع کرا دیتے ہیں"۔

اسلحہ جمع کرنے کے بعد انہیں مسجد کے کمرے کی طرف لایا گیا۔۔۔فوجی کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کسی میٹھی آواز میں کہا۔

"آجائیں"۔

وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔اندر درمیانے سے قد کے دبلے پتلے ایک صاحب سفید لباس میں موجود تھے۔۔۔وہ کمرے کے فرش پر بچھائی گئی چٹائی پر بیٹھے تھے۔۔۔ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی۔۔۔اس میز پر وہ ایک فائل میں کچھ لکھ رہے تھے۔

"السلام علیکم"۔انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام"۔انہوں نے ان کی طرف دیکھ کر فوراً کہا۔۔۔پھر سب سے ہاتھ ملائے۔

''اگر آپ واقعی انسپکٹر جمشید ہیں۔۔۔تب آپ ہمارے معزز مہمان ہیں۔۔۔لیکن اگر آپ انسپکٹر جمشید کے روپ میں کوئی اور ہیں تو آپ کے ساتھ کوئی رعائت نہیں ہو گی۔۔۔لہٰذا آپ تشریف رکھیں اور میرا اطمینان کرائیں''۔

''ضرور کیوں نہیں۔۔۔ابھی لیجئے''۔

انہوں نے اپنے کاغذ دکھائے۔۔امیر بہت دیر تک انہیں دیکھتے رہے۔۔۔آخر بولے۔

''میرا اطمینان ہو گیا کہ آپ دشمن نہیں ہیں۔۔۔اب یہ فرمائیں۔۔۔آپ نے یہ تکلیف دہ سفر کیوں کیا۔۔۔کیا آپ صرف ہمارے دفتر دیکھنے آئے ہیں یا کوئی اور غرض بھی ہے۔

''آپ لوگوں کے بارے میں دارالحکومت اور دوسرے شہروں میں عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں یا مشہور کی جاتی رہی ہیں۔۔۔مثلاً یہ

کہ آپ لوگ نوجوانوں کو اغوا کر کے لے آتے ہیں، زبردستی انہیں فوجی تربیت دیتے ہیں اور پھر زبردستی کسی محاذ پر بھیج دیتے ہیں"۔

"اف مالک! اس قدر گمراہ کن باتیں ہمارے بارے میں پھیلائی جا رہی ہیں"۔

"مجھے معلوم نہیں۔۔۔ کہ صرف پھیلائی جا رہی ہیں یا۔۔۔ ان میں حقیقت بھی ہے۔۔۔ حقیقت جاننے کے لے مجھے یہاں آنا پڑا ہے"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم آج تک ایک بچے کو بھی اغوا کر کے نہیں لائے۔۔۔ یہاں جتنے بھی نوجوان فوجی تربیت کے لئے آتے ہیں۔۔۔ اپنی خوشی سے آئے ہیں۔۔۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ نوجوان اپنے والدین کی مرضی سے نہ آتے ہوں۔۔۔ یا انہیں سرے سے بتا کر نہ آتے ہوں۔۔۔ آج کے دور میں ماں باپ اپنے بچوں کو جہاد کی اجازت نہیں دیتے۔۔۔ یہ جہاد کے راستے میں بڑی

رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔۔۔اور ایسا کیوں ہے۔۔۔یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔

''شاید میں جانتا ہوں۔۔۔لیکن بہتر یہی ہوگا کہ آپ ہی اس بات کی وضاحت کریں''۔انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''بہت خوب! میں خود وضاحت کیے دیتا ہوں۔۔۔مسلمان کو جہاد کا حکم ان کے اللہ نے دیا۔۔۔ہمارے نبی ﷺ نے زندگی کا بہت سا حصہ جہاد میں صرف کیا۔۔۔آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ تمام زندگی جہاد کرتے رہے۔۔۔اس وقت ہر مسلمان جہاد سے سرشار تھا۔۔۔جہاد کا شوق سر سے لے کر پاؤں تک ڈوبا ہوا تھا۔۔۔اور صحابہ اکرام کے بعد بھی یہ جذبہ جاری وساری رہا۔۔۔اور مسلمان فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔۔۔کامیابیاں ان کے قدم چومتی چلی گئیں۔۔۔یہاں تک کہ ہمارے دشمنوں۔۔۔یعنی عیسائیوں اور

یہودیوں نے صاف طور پر یہ بات محسوس کر لی کہ جب تک مسلمانوں کا جزبہ جہاد سرد نہ کر دیا جائے۔۔۔وہ کامیاب ہو ہی نہیں سکتے۔۔۔مسلمانوں کے مقابلے میں اگر وہ کامیاب ہو سکتے ہیں تو صرف اس صورت میں کہ ان کے جہاد کے جزبے کو سلا دیا جائے۔۔۔اب انہوں نے غور کیا کی اس طرح کیسے کیا جائے۔۔۔ وہ سر جوڑ کا بیٹھ گئے۔۔۔آخر انکے ذہنوں میں ایک جھوٹی نبوت کا خیال آیا۔۔۔انہوں نے پروگرام بنائے کہ کچھ جھوٹے نبی پیدا کیئے جائیں۔۔۔یعنی کچھ لوگوں کو سکھایا جائے۔۔۔وہ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں۔۔۔ایسے لوگوں کی ہر طرح سے مدد کی جائے گی۔۔۔ تاکہ وہ خوب پھلیں پھولیں اور ترقی کریں اور ان کے نام مشہور ہو جائیں اور جب کچھ لوگ ان کی نبوت کو ماننے والے بن جائیں تو وہ باقاعدہ اعلان کریں کہ مسلمانوں پر اب جہاد حرام ہو چکا ہے۔۔۔

کیونکہ پوری دنیا میں امن ہو چکا ہے۔۔۔ان حالات میں جہاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔مسلمانوں کو اب غیر مسلموں سے لڑنے کی ضرورت نہیں رہی۔۔۔چناچہ ایسے لوگوں نے اس قسم کے اعلانات کئے۔۔۔انکے گرد جو لوگ جمع کئے گئے۔۔۔وہ بھی اس سازش میں برابر کے شریک تھے۔۔۔ان کو دیکھ کر انکے نزدیکی لوگ جھوٹے نبیوں کی نبوت کا دم بھرنے لگے۔۔۔یہ احکامات انہیں بہت اچھے لگے کہ اب جہاد حرام ہو گیا ہے۔۔۔یعنی اب لڑنا مرنا نہیں پڑے۔۔۔کافروں کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔۔۔نہ ان کے ہاتھوں قتل ہونے کی ضرورت۔۔۔یہ تو بہت دلکش بات ہو گئی۔۔۔لہٰذا ایسے لوگ انکے اردگرد جمع ہونے لگے۔۔۔

ہمارے برِصغیر میں بھی دو تین آدمی ایسے کھڑے کئے گئے۔۔۔

جنہوں نے برملا اعلان کیا کہ جہاد حرام ہے۔۔۔ان میں ایک کا

نام مرزا غلام قادیانی ہے۔۔۔اس نے نہ صرف زبانی یہ اعلان کیا۔۔۔ بلکہ اپنی کتابوں میں بھی تحرر کیا۔۔۔اپنی شاعری میں بھی یہ خیال پیش کیا۔۔۔ کہ ہندستان کے مسلمانوں پر جہاد حرام ہو چکا ہے۔۔۔اس زمانے میں یہ اعلان مرزا قادیانی سے اس لئے کرایا گیا کہ مسلمان اس وقت انگریزوں سے جنگِ آزادی لڑ رہے تھے۔۔۔وہ انگریزوں کو اپنے ملک سے نکال دینا چاہے تھے۔۔۔ انکی غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ ایک دو نمایاں آدمیوں احمد رضا خان وغیرہ نے بھی جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا تھا۔۔۔وہ بھی انگریزوں کے پٹھو تھے۔۔۔اس بنیاد پر آہستہ آہستہ جذبہ جہاد ہم میں سے نکل گیا اور ہم پر ذلت غالب آتی چلی گئی۔۔۔ہمارے ہاں جو حکومت بھی آئی اس نے جذبہ جہاد کو ابھارنے کی کوئی کوشش نہ کی۔۔۔اب

انہیں بھیجا جا رہا ہے۔۔۔آپ پسند کریں تو میں آپ کو تربیت لینے والے نوجوانوں سے ملوا سکتا ہوں۔۔۔تربیتی مقامات پر لے جا سکتا ہوں۔۔۔آپ خود وہاں چل کر ہماری کارکردگی دیکھ سکتے ہیں"۔

"ہوں۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔میرے خیال میں۔۔۔ہم یہاں تک آ تو گئے ہیں۔۔۔آپ کے ساتھ گھوم پھر کر حالات کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں"۔

عین اس وقت امیر اٹھ کھڑے ہو گئے۔۔۔ان کی جیب میں موجود وائرلیس موصول ہوا تھا۔



ناکام واپسی:

وہ فوراً کمرے سے نکل گئے۔تھوڑی دیر بعد ان کی واپسی ہوئی۔۔۔ ان کے چہرے پر جوش اور دبدبہ تھا۔

''معلوم ہوتا ہے۔۔۔آپ نے کوئی اچھی خبر سنی ہے''۔

''ہاں۔۔۔ایک محاذ پر ہمیں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔۔۔ان گنت ہندو مارے گئے ہیں اوران کے ایک کرنل ہمارے قبضے میں ہے۔۔۔اس کرنل کے بدلے ہم اپنے کئی فوجی نوجوان چھڑا سکیں گے''۔

''بہت خوب! کیا ان محاذوں پر ہماری حکومت کچھ نہیں کر رہی؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

'جی نہیں۔۔۔حکومت انشارجہ کے دباؤ میں ہے۔۔۔اور انشارجہ ہماری فوج کی دخل اندازی کو ناپسند کرتا ہے۔۔۔جب کہ یہ مجاہدین حکومت کے پابند نہیں ہیں۔۔۔یہ نہ انشارجہ سے ڈرتے ہیں۔۔۔نہ بنگال سے۔۔۔نہ ونٹاس سے ڈرتے ہیں نہ شارجستان سے۔۔یہ تو بس اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں''۔

''بہت خوب! تو پھر آپ مجاہدین کب دکھا رہے ہیں''۔

''ابھی اور اسی وقت۔۔۔آپ کو شاید جلد واپس جانا ہوگا''۔

''ہمیں اتنی جلدی بھی نہیں۔۔۔اگر ایک نوجوان ہمیں یہاں نظر آ گیا''۔انہوں نے گول مول انداز میں کہا۔

''کیا مطلب۔۔۔نوجوان؟''

''دارالحکومت کا ایک نوجوان غائب ہے۔۔۔اس کے بارے میں ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ کے لوگوں نے اسے اغوا کر کے یہاں پہنچایا ہے''۔

''غلط۔۔۔بالکل غلط۔۔۔ہم یہ کام کرتے ہی نہیں''

امیر نے پرزور انداز میں کہا۔

''خیر۔۔۔چلیے۔۔۔ہمیں جو دکھانا ہے۔۔۔دکھایئے''۔

وہ مسجد سے نکل کر ایک پہاڑی پگڈنڈی پر چلنے لگے۔۔۔راستے میں

ایک ٹینک نظر آیا۔

"یہ وٹناس کا ہے"۔۔۔جب ہماری وٹناس سے جنگ ہو رہی تھی۔۔۔تو وہ اس علاقے تک بھی آ گیا تھا۔۔۔ہم نے یہ ٹینک اس سے چھینا تھا۔۔۔اور ہماری گولہ باری کی تاب نہ لا کر دشمن بھاگ نکلا"۔

"خوب" وہ بولے۔

وہ ٹینک کو چاروں طرف سے دیکھنے لگے۔۔۔امیر ٹینک کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"اس سے جب گولہ فائر کیا جاتا ہے تو اس وقت اس کی آواز بہت ہوتی ہے۔۔۔اس قدر کے کہ اگر کانوں کے پاس سے گولہ گزر جائے تو انسان بہرہ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔یا اس کے کان کے پردے پھٹ سکتے ہیں۔۔۔ہمارے ایک فوجی کے کان کے پاس سے گولہ گزرا تو

اس کے کان سے خون تیزی سے جاری ہو گیا۔۔۔وہ اس وقت کلاشن کوف سے دشمن پر فائر کر رہا تھا۔۔۔خون بہنے کی وجہ سے اسے بار بار دایاں ہاتھ کلاشن کوف سے ہٹانا پڑا۔۔۔اب وہ کبھی کان کے پاس سے خون پونچھتا۔۔۔کبھی فائر کرتا۔۔۔یہ نہیں کہ زخمی ہونے کی وجہ سے فائرنگ روک دے۔۔۔مطلب یہ کہ جرات اور دلیری کی داستانیں بھری پڑی ہیں۔آیئے اب آگے چلیں"۔

ونٹاس کے فوجی راستے میں جو کچھ بھی چھوڑ گئے تھے۔۔۔امیر اس کے بارے میں بتاتے رہے۔۔۔آگے بڑھتے رہے۔۔یہاں تک کہ شام ہو گئی۔۔۔اور عصر کی اذان سنائی دینے لگی۔

"اب ہم پہلے نماز ادا کر لیں"۔

وہ وہیں سے واپس پلٹ گئے۔۔۔ہر طرف سے لوگ مسجد کا روخ کرتے نظر آئے۔۔۔بہت ایمان پرور نظارہ تھا۔۔۔وہ سوچنے

لگے۔۔۔یہ لوگ اغوا جیسا بھیانک جرم کیسے کر سکتے ہیں بھلا۔۔۔

عصر کی نماز ادا کی گئی۔۔۔نماز کے بعد امیر نے آدھے گھنٹے تک جہاد کے موضوع پر تقریر کی۔۔۔ان کی تقریر بھی بہت دلکش تھی۔۔۔پھر وہ انہیں لے کر میدان میں گئے۔۔۔اور اشارہ دیا گیا۔۔۔تربیت لینے والے تمام مجاہدین ہر طرف سے دوڑ کر اس میدان میں جمع ہونے لگے۔۔۔یہاں تک کہ چند منٹ میں میدان ان سے بھر گیا۔۔۔وہ باقاعدہ قطاروں میں کھڑے تھے۔۔۔ان سب کو گنا گیا۔۔۔انکے نام پکارے گئے۔۔۔پھر امیر ان سے بولے۔

''اتفاق کی بات ہے۔۔۔اس وقت تمام مجاہد موجود ہیں۔۔۔کوئی ایک بھی غیر حاضر نہیں۔۔۔لہٰذا آپ بغور دیکھ لیں۔۔۔ان میں سے کوئی ایسا نوجوان ہے۔۔۔جسے آپ کے خیال میں اغوا کر کے لایا گیا ہو۔۔۔اگر ہے تو اسے قطار سے نکال لیں''۔

''شکریہ۔۔۔پروفیسر صاحب۔۔۔آگے آیئے''۔انسپکٹر جمشید نے حافظ صاحب سے کہا۔

وہ آگے آ گئے۔۔۔اور قطاروں کے درمیان ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھنے لگے۔۔۔انہوں نے تمام چہرے دیکھ ڈالے۔۔۔پھر انسپکٹر جمشید کے پاس لوٹ آئے۔

''ان میں آئی جی صاحب کے بیٹے نہیں ہیں۔۔۔لیکن''۔

''اوہ۔۔۔لیکن کیا؟''

''میرے کالج کے تین طالب علم ضرور یہاں ہیں''۔

ان تینوں کو نکال لیں''۔

امیر کچھ نہ بولے۔۔۔پرسکون انداز میں کھڑے رہے۔۔۔پروفیسر صاحب ان تینوں کو قطار میں سے نکال کر سامنے لے آئے۔

''آپ لوگ حافظ صاحب کے کالج میں پڑھتے ہیں؟''

''ہاں جناب!'' وہ تینوں بولے۔

''کیا آپکو یہاں اغوا کر کے لایا گیا ہے؟''

''نہیں جناب! ہم اپنی مرضی سے آئے ہیں''۔

''کیا آپ اپنے والدین کو بتا کر آئے ہیں؟''

''نہیں جناب۔۔۔اس لئے کہ والدین اجازت دینے کو تیار ہی نہیں تھے۔۔۔یہاں آکر البتہ ہم نے انہیں خط لکھ دیئے ہیں اور بتا دیا ہے کہ ہم اتنے دن تک ٹریننگ لے کر آئیں گے''۔

''بہت خوب! لیکن یہاں انوار نہیں ہیں۔۔۔آئی جی صاحب کے بیٹے آپ لوگ انہیں جانتے ہیں نا''۔

''جی ہاں اچھی طرح۔۔۔لیکن وہ ہمارے ساتھ یہاں نہیں آئے تھے۔۔۔اگرچہ ان کی خواہش تھی۔۔۔انہوں نے کہا تھا۔۔۔وہ جب بھی آئیں گے۔۔۔ماں باپ کی اجازت لے کر آئیں گے''۔

''ہوں۔۔۔ یہ تو عجیب بات ہوگئی۔۔۔آخر انوار کہاں چلے گئے''۔

''اگر انہوں نے اپنے والد سے اجازت نہیں لی۔۔۔تب وہ کسی تربیتی مرکز پر نہیں ملیں گے''۔

''خیر۔۔۔ہم دیکھیں گے''۔ یہ کہہ کر وہ امیر کی طرف مڑے۔۔۔

''جو بچے والدین کی اجازت کے بغیر آتے ہیں۔۔۔آپ انہیں ایسا کرنے سے منع کیوں نہیں کرتے''۔

''یہ بات درست تو نہیں۔۔۔نوجوانوں کو اجازت لے کر ہی آنا چاہیے۔۔۔لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج کے دور کے والدین اجازت نہیں دیتے۔۔۔ جہاد کی حقیقت اور اہمیت انکی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے''۔

''پھر بھی آپ کو اس کا حل سوچنا چاہیے۔۔۔میں اس فوجی تربیت کے خلاف نہیں ہوں۔۔۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں۔۔۔ ملک ہر شہر میں

ایسے تربیتی مراکز ہوں۔۔۔یا پھر کم از کم ان شہروں میں جہاں مناسب جگہیں میسر آ جائیں۔۔۔اور ملک کے نوجوان وہاں جا کر قانوناً فوجی تربیت حاصل کریں۔۔۔بچیاں بھی شہری دفاع میں تربیت لیں۔۔۔میں واپس جا کر حکومت کی نظروں میں یہ بات لاؤں گا۔۔۔افسوس یہ ہے کہ ایک نامعلوم آدمی نے غلط راستے پر ڈالا ہے۔۔۔اب ہمیں اجازت دیں''۔

''آس پاس کچھ مراکز بھی ہیں۔۔۔یعنی کچھ اور جماعتوں نے بھی ہمارے طریقے کو دیکھ کر یہ کام شروع کیا ہے۔۔۔آپ ان مراکز پر بھی دیکھ لیں۔۔۔میں اپنا ایک آدمی آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔۔۔کیا خبر۔۔۔انوار صاحب ان میں سے کسی مرکز پر مل جائیں''۔امیر نے کہا۔

''یہ اچھی تجویز ہے''۔

اور پھر وہ ان سے رخصت ہوئے۔۔۔باقی مراکز بھی دیکھے گئے۔۔۔وہاں وہ ولولہ اور جوش وخروش نظر نہ آیا۔۔۔جو فاروق احمد کے مرکز پر نظر آیا تھا۔۔۔تاہم انوار احمد وہاں بھی نہ مل سکے۔۔۔اور آخر انہوں نے واپسی کی ٹھانی۔۔۔اس طرح سفر کرتے وہ واپس شہر پہنچے۔۔۔آئی جی صاحب کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

''اب کیا بنے گا جمشید؟''

''اب تو ہمارا کام آسان ہو گیا''۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

''انوار کو جس نے بھی اغوا کیا۔۔۔وہ دارلحکومت میں ہی ہے۔۔۔لہٰذا ہم اس کا سراغ لگا لیں گے۔۔۔اس نے ایک غلط اطلاع دے کر ہمیں غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔۔۔اس کی بھی ایک وجہ تھی۔۔۔خیر۔۔۔اس وجہ کا ذکر تو میں پھر کسی وقت کروں گا۔۔۔فی الحال تو

ہمیں اس کا سراغ لگانا ہے۔۔۔آپ آرام کریں۔۔۔ہم بہت جلد آپ کے انوار کو آپ سے ملائیں گے۔۔۔ انشاءاللہ“۔

”اچھی بات ہے“۔آئی جی نے کہا اور رخصت ہو گئے۔

اب انہوں نے اکرام کو فون کیا۔

”انوار کی گمشدگی کے سلسلے میں نامعلوم آدمی نے جس جس جگہ سے ہمیں فون کیے۔۔۔ان کی تفصیل میرے پاس لے آؤ۔۔۔اور فونوں کے اوقات بھی ساتھ ہونے چاہئیں“۔

”او کے سر۔۔۔میں آدھ گھنٹے تک حاضر ہو جاؤں گا“۔

اکرام نے کہا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔۔۔انہوں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

”السلام علیکم“۔دوسری طرف سے کہا گیا۔۔۔انسپکٹر جمشید نے فوراً آواز سن کر ایک بٹن دبا دیا۔۔۔اور بولے۔

’’وعلیکم السلام۔۔۔فرمایئے۔۔۔کیا خدمت کر سکتا ہوں‘‘۔

’’انوار کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔وہ کیمپ میں ہی ہے۔۔۔کیمپ کے امیر نے آپ کو بہت واضح دھوکا دیا ہے‘‘۔

’’کیا مطلب؟‘‘ وہ بری طرح چونکے۔۔۔آواز اسی نامعلوم آدمی کی تھی۔

’’کیا امیر نے وہاں آپ کو کوئی قید خانہ دکھایا تھا؟‘‘

’’نن نہیں‘‘۔وہ ہکلائے۔

’’تو پھر سنئے۔۔۔وہاں ایک قید خانہ بھی ہے۔۔۔جنگ کے زمانے میں وہاں ونٹاس کے بڑے فوجی افسروں کو قید کیا جاتا تھا۔۔۔وہاں خاص نوجوان رکھے جاتے ہیں۔۔۔اگر اس قید خانے سے انوار برآمد نہ ہوا تو جو چور کی سزا وہ میری اس صورت میں میں یہ پچیس لاکھ بھی واپس کر دوں گا‘‘۔

''یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی؟'' انہوں نے کہا۔

''پہلے مجھے بھی معلوم نہیں تھی۔۔۔میرے ایک کارندے نے یہ بات مجھے ابھی ابھی بتائی ہے۔۔۔آپ لوگوں کی ناکام واپسی کی خبر بھی اسی نے دی ہے''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔ہم یہ بھی چیک کر لیتے ہیں۔۔۔ویسے ایک بات میں آپ سے بھی پوچھنا چاہتا ہوں''۔

''اور وہ کیا؟'' اس نے کہا۔

''آپ کو اس تربیتی کیمپ کے پل پل کے حلات کون بتا تا ہے''۔

''یہ ایک راز ہے''۔

انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہو گئیں۔۔۔اسی وقت دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

''ہمارا دورہ نامکمل تھا۔۔۔ہمیں پھر وہاں جانا ہو گا''۔

''کیا آپ کے خیال میں انوار صاحب وہیں ملیں گے؟''

''نہیں انوار وہاں نہیں ملیں گے۔۔۔انہیں یہیں تلاش کرنا ہوگا۔۔۔ لیکن وہاں جانا بھی ضروری ہے''۔

''تب پھر ہم دو پارٹیوں میں کیوں نہ تقسیم ہو جائیں۔۔۔یا پھر انکل انسپکٹر کامران مرزا کو کیمپ میں بھیج دیں۔۔۔اس طرح انوار صاحب کو جلد تلاش کیا جا سکے گا''۔محمود نے تجویز دی۔

''بہت خوب! یہ ٹھیک رہے گا''۔انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔۔۔ اور پھر انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے فون ملائے۔

''آہا! یہ آپ ہیں۔۔۔کمال ہے''۔دوسری طرف سے انسپکٹر کامران مرزا کی چہکتی آواز سنائی دی۔

''لیکن اس میں کمال کی کیا بات ہے؟''

''کمال کی بات اس میں یہ ہے کہ میں بلکہ ہم ابھی آپ لوگوں کی

ہی بات کر رہے تھے''۔

''شاید اسی کو کہتے ہیں دل کو دل کی راہ ہوتی ہے'' وہ مسکرائے۔

''کیسے کیا یاد؟''

انسپکٹر جمشید نے ساری تفصیلات سنا دیں۔۔۔آخر میں بولے۔

''سوال یہ ہے کہ یہاں موجود ایک شخص کو وہاں کی پل پل کی خبریں کس طرح مل رہی ہیں۔۔۔اور کیا یہ بات خوش گوار ہے''۔

''میں سمجھ گیا۔۔۔اور اسی وقت ہم لوگ روانہ ہو رہے ہیں۔۔۔آپ اطمینان اور سکون سے یہاں انوار کو تلاش کریں۔۔اگر وہاں کے قید خانے میں انوار مل گیا۔۔۔تو ہم اسے لے آئیں گے''۔

''بالکل ٹھیک''۔انہوں نے کہا۔

فون بند کیا ہی تھا کہ اکرام آ گیا۔

''ابھی ابھی ایک فون اس پر اسرار آدمی کا اور آیا تھا۔۔۔اس کا بھی پتا

کر لو۔۔۔وہ کہاں سے کیا گیا ہے؟" اسے دیکھتے ہی وہ بولے۔

"اوکے سر"۔ اکرام نے جلدی سے کہا اور پھر ایکس چینج کے نمبر ملائے۔۔۔دوسری طرف فون بوتھ کا نمبر اور پتا فوراً نوٹ کروا دیا گیا۔

"یہ رہا اس کی فون کالوں کا حساب کتاب۔۔۔پہلی بار اس نے بیگم پورہ سے ٹھیک آٹھ بجے فون کیا۔۔۔دوسری بار فون پر ریواز ٹاؤن سے ساڑھے آٹھ بجے کیا۔۔۔اور تیسرا فون کالا گڑھ سے کیا گیا۔۔۔یہ فون ۸۔۵۰ پر کیا گیا۔۔۔اب اس وقت جو فون کیا گیا ہے۔۔۔وہ پھر کالا گڑھ سے ہوا ہے"۔

"بہت خوب۔۔۔اس کا مطلب ہے۔۔۔وہ کالا گڑھ، ریواز ٹاؤن۔۔۔یا بیگم پورہ کے آس پاس ہی کہیں رہتا ہے۔۔۔ان تینوں فون بوتھوں کی نگرانی شروع کرا دو۔۔۔اور جو مشکوک آدمی

فون کرنے آئے اس کا تعاقب کیا جائے۔انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

''محمود، فاروق اور فرزانہ۔۔۔تم تینوں روانہ ہو جاؤ۔۔۔ان فون بوتھوں کا جائزہ لو۔۔۔ان کا درمیانی فاصلہ ناپو۔۔۔پیدل بھی اور گاڑی پر بھی اور اندازہ لگاؤ کہ وہ شخص کہاں رہتا ہے''

''جی۔۔۔یہ اندازہ ہم کس طرح لگا سکتے ہیں بھلا؟''محمود نے گھبرا کر کہا۔

''یہ مجھے معلوم نہیں''۔منہ بنا کر بولے۔

''اچھی بات ہے۔۔۔آپ کو نہیں معلوم تو ہمیں معلوم کرنا پڑے گا کہ ہم یہ بات کس طرح معلوم کریں''۔فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر وہ باہر نکل گئے۔

وہ سیدھے کالا گڑھ کے فون بوتھ تک پہنچے۔۔۔اس کے آس پاس

کا جائزہ لیا۔۔اس کو اندر سے بھی چیک کیا۔۔۔پھر وہاں اس گاڑی میں ریواز ٹاؤن والے فون بوتھ تک پہنچے۔۔۔وہاں تک جانے میں انہیں صرف دس منٹ لگے۔۔۔پھر بیگم پورہ پہنچے۔۔۔بیگم پورہ پہنچنے میں پندرہ منٹ لگے۔

''مطلب یہ کہ پہلا فون کرنے کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا۔۔۔یا اس نے بیس منٹ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر گزارے ہوں گے''۔

''پہلے ہم پیدل چل کر کیوں نہ دیکھیں''۔فرزانہ نے کہا۔

''ایسا شخص پیدل تو نہیں ہو سکتا''۔محمود نے اسے گھورا۔

''آخر دیکھ لینے میں حرج کیا ہے؟''

''اچھی بات ہے''۔

وہ ایک بار پھر کالا گڑھ فون بوتھ تک آئے۔۔۔عین اسی وقت انہوں نے ایک عجیب وغریب سے آدمی کو فون بوتھ سے نکلتے دیکھا۔



اندھیرے میں:

انسپکٹر کامران مرزا تربیتی کیمپ کے امیر فاروق احمد کو بغور دیکھتے رہے پھر بولے۔

''ہمیں اطلاع ملی ہے۔۔۔کہ ہمارے آئی جی صاحب کے فرزند انوار کو آپ نے قید خانے میں رکھا ہوا ہے''۔

''یہ اطلاع درست نہیں'' وہ پرسکون آواز میں بولے۔

''جونہی انسپکٹر جمشید دارالحکومت پہنچے۔۔۔اس نامعلوم آدمی نے انہیں فون کیا اور بات بتائی۔۔۔آپ نے بھی انسپکٹر جمشید کو قید خانہ نہیں دکھایا تھا۔۔۔آخر کیوں''۔

''دکھانے کا پروگرام تھا۔۔۔لیکن جونہی انہیں اندازہ ہوا کہ انوار یہاں نہیں ہے تو انہوں نے بس واپسی کا پروگرام بنایا۔۔۔اب میں

انہیں کس طرح روک سکتا تھا؟"

"ہوں۔۔۔خیر۔۔۔اب آپ وہ قید خانہ ہمیں دکھا دیں"۔

"جی نہیں۔۔۔یہ نہیں ہو سکتا"۔فاروق احمد بولے۔

"کیا کہا۔۔۔یہ نہیں ہو سکتا"۔

ہم آپ کو قید خانہ نہیں دکھا سکتے"۔

"آخر کیوں؟"

''اس میں ہم نے کچھ خفیہ چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔۔۔البتہ آپ یہ اطمینان رکھیں کہ وہاں آپ کے انوار قید نہیں ہیں''۔

''ہمیں ان خفیہ چیزوں سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ اندر انوار صاحب تو نہیں ہیں''۔

''جی نہیں۔۔۔ہم آپ کو قید خانہ نہیں دکھا سکتے''۔

''آپ بلا وجہ الجھن پیدا کر رہے ہیں''۔

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ اس وقت ہمارے ملک میں نہیں ہیں' پڑوسی ملک میں ہیں اور اس علاقے پر ہمارا مکمل کنٹرول ہے۔۔۔یہ علاقہ ہم نے ونٹاس سے جنگ لڑ کر فتح کیا تھا۔۔۔اس وقت سے یہ ہماری جماعت کے قبضے میں۔۔۔اور ہم اس علاقے میں کام کر رہے ہیں۔۔۔مجاہدین تیار کر کے ان محاذوں پر بھیج رہے ہیں۔۔۔جہاں اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں سے لڑ رہی ہیں۔۔۔

کیا ہم کوئی برا کام کر رہے ہیں؟''

''آپ ایک بہت عظیم کام کر رہے ہیں۔۔۔اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔۔۔لیکن ہمارا اس وقت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس نوجوان کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ''۔

عین اس وقت ایک جیپ کے رکنے کی آواز سنائی دی۔

''اوہ۔۔۔شاید کمانڈر صاحب آ گئے۔۔۔معاف کیجئے گا۔۔۔ذرا میں ان کا استقبال کر لوں''۔

''ضرور''۔انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور فاروق احمد باہر نکل گئے۔

''یہ گھی تو سیدھی انگلیوں سے نکلتا نظر نہیں آتا''۔آفتاب نے برا سامنہ بنایا۔

''اور نہ یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر آتی ہے۔آصف بولا۔

''ہم یہاں زبردستی نہیں کر سکتے۔۔۔ان سے صرف درخواست کر

سکتے ہیں''۔فرحت بولی۔

''ہاں! یہی بات ہے۔۔۔لیکن تم فکر نہ کرو۔۔۔کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔۔۔ہم قید خانہ''۔

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔۔۔اسی وقت فاروق احمد ایک لمبے چوڑے فوجی کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔۔اس کے جسم پر فوجی وردی خوب سج رہی تھی۔

''ارے ہائیں۔۔۔اف۔۔۔یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں''۔آفیسر نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

''کک۔۔۔کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔امیر'' فاروق احمد بولے۔

''بھئی یہ تو انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔۔۔میرے بہت گہرے دوست۔۔۔کامران مرزا تم نے شاید اپنے بچپن کے دوست غازی ایاز کو نہیں پہچانا؟''

''کیا۔۔۔آپ غازی ایاز ہیں؟'' وہ چلائے۔انہیں بچپن کا ایک کھلنڈرا دوست یاد آ گیا۔

پھر دونوں پر جوش انداز میں گلے ملے۔۔۔انسپکٹر کامران مرزا نے ان تینوں کا تعارف کرایا تو انہوں نے بھی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر بولے۔

''لیکن آپ یہاں کہاں؟''

اب انہوں نے تفصیل سنائی۔۔۔وہ غور سے سنتے رہے۔

''اب ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم قید خانہ دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔لیکن فاروق احمد صاحب دکھانے پر تیار نہیں ہیں''۔وہ بولے۔

''فاروق احمد صاحب۔۔۔اپنی جگہ بالکل درست ہیں۔۔۔لیکن اب میں انہیں خصوصی اجازت دیتا ہوں۔۔۔آپ انہیں قید خانہ دکھا دیں''۔

''او کے سر۔۔۔لیکن آپ جانتے ہیں۔۔۔وہاں ایک عدد قیدی موجود ہے۔۔۔اور اس کا باہر نکلنا درست نہیں ہے۔۔۔ہم ابھی تک اس سے کچھ نہیں اگلوا سکے''۔

''کوئی بات نہیں۔۔۔انہیں اطمینان کرنا ہوگا۔۔۔یہ بھی ہمارے اپنے ہیں اور اسلام کے لئے ہر وقت سر دھڑ کی بازی لگاتے رہتے ہیں''۔

''او کے سر۔۔۔آپ تحریری اجازت نامہ دے دیں''۔فاروق احمد بولے۔

غازی ایاز نے اس طرف غور سے دیکھا۔

''کیا آپ کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہیں؟''

''یس سر''۔وہ بولے۔

''بھئی انسپکٹر کامران مرزا کے ہوتے آپ کو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا

چاہیے۔۔۔یہ لوگ خطرے کو فوراً بھانپ لیتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔آیئے جناب۔۔۔میں آپکو قید خانہ دکھا دوں"۔

"بلکہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں"۔

"یہ اور اچھی بات ہے۔۔۔لیکن آپ نے اب تک تحریر نہیں دی"۔

"اوہ ہاں" وہ چونکے۔

تحریر لکھنے کے بعد وہ قید خانے کی طرف آئے۔۔۔باہر سے وہ صرف ایک لمبا چوڑا سا کمرہ سا نظر آیا۔۔۔اور باہر سے اس کو دیکھ کر کوئی شخص اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی قید خانہ ہے۔۔۔لیکن جب دروازے کا تالا کھول کر وہ اندر داخل ہوئے تو اندر گھپ اندھیرا تھا۔۔۔پہلے ایک سرنگ نما راستہ نظر آیا۔۔۔سرنگ آگے چل کر دائیں اور بائیں مڑ گئی۔۔۔دائیں طرف بھی چند کمرے آمنے

سامنے بنائے تھے۔۔۔اور بائیں طرف بھی۔۔۔قیدیوں کے لئے کوٹھریاں تھیں۔۔اندر سیلن بھی تھی اور بدبو بھی۔۔۔وہاں رکنا ان کے لئے مشکل تھا۔۔۔لیکن وہ مجبور تھے۔۔۔تمام کمروں میں انہیں اسلحے کے انبار نظر آئے۔۔۔وہاں توپوں کے گولے بھی تھے۔۔۔کلاشن کوفیں بھی غرض ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔

''کیا یہ تمام اسلحہ وٹنا اس کے فوجیوں سے چھینا ہوا تھا؟

''جی ہاں بالکل۔۔۔اور اب ہم ٹریننگ دینے کے لئے کام میں لاتے ہیں''۔

''بہت خوب۔۔۔یہ کمرہ رہ گیا''۔انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''اس میں ایک عدد قیدی ہے،،۔

''اسے باہر نکالیں۔۔۔اندھیرے میں تو ہم اسے دیکھ نہیں سکتے۔۔۔ ٹارچ کی روشنی میں یہ اندازہ لگایا نہیں جاسکتا کہ اس

کے چہرے پر میک اپ ہے کہ نہیں''۔

''اچھی بات ہے۔۔۔اسے باہر لے چلو بھئی''۔فاروق احمد نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا۔

قیدی کو باہر لایا گیا۔۔۔باہر کی روشنی میں اس کے لئے آنکھیں کھولنا مشکل ہو گیا۔۔۔اس کا رنگ بالکل زرد پڑ چکا تھا۔۔۔اور ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔۔۔ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

''اب آپ اسے غور سے دیکھ لیں''۔فاروق احمد نے کہا۔

''آپ لوگ ذرا ایک طرف ہو جائیں۔۔۔ہم اس سے چند سوالات بھی کرنا چاہتے ہیں''۔

''یہ آپ کو کچھ نہیں بتائے گا''۔

''کم از کم یہ اتنا تو بتا سکتا ہے کہ یہ انوار ہے یا نہیں''انسپکٹر کامران

مرزا بولے۔

''اوہ ہاں ضرور''۔ فاروق احمد مسکرائے۔

اور پھر وہ ایک طرف ہٹ گئے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے اس قیدی کو غور سے دیکھا اور پھر بولے۔

''کیا آپ انوار ہیں؟''

اس نے کوئی جواب نہ دیا' خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟ وہ پھر بولے۔۔۔ لیکن اس نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

''دیکھئے ہم دارلحکومت سے آئے ہیں۔۔۔ میرا نام انسپکٹر کامران مرزا ہے۔۔۔ آئی جی صاحب نے ہمیں بھیجا ہے۔۔۔ اگر آپ انوار ہیں تو پھر ہم آپ کو یہاں سے لے جا سکتے ہیں۔۔۔ آپ کو اس قید سے نجات مل جائے گی اور آپ اپنے گھر میں ہوں گے''۔

''مم۔۔۔میں۔۔۔میں''۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے گرا۔۔۔کلاشن کوف کی ایک گولی کی آواز بھی اسی وقت گونجی تھی۔۔۔اور وہ تڑپتا نظر آیا۔

''خبردار۔۔۔قاتل اس چٹان کے پیچھے ہے''۔فاروق احمد گرجے۔

اور پھر اسکے آس پاس کھڑے مجاہد نے اس طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ لیکن ان سے بھی پہلے آفتاب' آصف' فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا دوڑ پڑے تھے۔۔۔لیکن چٹان کے دوسری طرف انہیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔قاتل فائر کر کے جا چکا تھا۔۔۔اتنے میں فاروق احمد اور اس کے ساتھی بھی پہنچ گئے۔۔۔اور ادھر ادھر دور دور تک دیکھنے لگے۔۔۔ کہیں کسی کی حرکت کے اثار نظر نہ آئے۔۔۔پوری طرح اطمینان کر لینے کے بعد آخر کار وہ واپس لاش کے پاس لوٹ آئے۔

''پہلے تو ہمیں اس قیدی کے بارے میں بتائیں۔۔۔آپ نے اسے

کیوں قید کر رکھا تھا؟''

''یہ ٹریننگ لینے کے لئے آیا تھا۔۔۔اسے یہاں تربیت لیتے ہوئے تیس دن کے قریب ہو گئے تھے۔۔۔ایک روز رات کو پہرہ دینے والوں نے ایک سائے کو دیکھا۔۔۔وہ سایہ میرے دفتر کی طرف جھک کر جا رہا تھا۔۔۔پہرے داروں میں سے ایک نے بہت احتیاط سے اس کا تعاقب کیا۔۔۔یہاں تک کہ اس نے دیکھا۔۔۔اس نے دفتر کا تالا کھول ڈالا اور اندر داخل ہو گیا۔۔۔بس پھر کیا تھا' پہرے دار نے فوراً دروازہ باہر سے بند کر دیا اور خطرے کی سیٹی بجا دی۔۔۔آن کی آن میں مجاہد وہاں پہنچ گئے۔۔۔اسے پکڑ لیا گیا۔۔۔لیکن اس دن سے آج تک اس نے زبان نہیں کھولی۔۔۔ہم اس کے بارے میں کچھ نہ جان سکے۔۔۔ہمیں مجبور ہو کر اسے قید کرنا پڑا۔۔۔تاکہ تنگ آ کر یہ زبان کھول دے۔۔۔افسوس۔۔۔

آج اسے کسی نے ختم کر دیا''۔

''اس کا مطلب ہے۔۔۔اس کا کوئی اور ساتھی بھی مجاہدین میں شامل ہے''۔

''اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے''

''تب پھر۔۔۔آپ تمام مجاہدین کو ایک جگہ جمع کر لیں''۔

''جی بہت اچھا۔۔۔اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔۔۔ورنہ دوسرا ہمیں کوئی بھی نقصان پہنچا سکتا تھا''۔فاروق احمد بولے۔

اور پھر وسل بجائی گئی۔۔۔ہر طرف سے مجاہدین دوڑ کر میدان میں جمع ہوتے نظر آئے۔۔۔تین منٹ کے اندر سب لوگ جمع ہو گئے۔۔۔اور وہ میدان کے سرے پر بنے چبوترے پر چڑھ گئے۔

''آپ پہلے ان کی گنتی مکمل کروائیں''۔

انہیں گنا گیا۔۔۔گنتی پوری تھی۔۔۔تربیت کے لئے آنے والے

سب حاضر تھے۔۔۔انسپکٹر کامران مرزا' آفتاب' آصف اور فرحت الگ الگ قطاروں میں گھس گئے اور ایک ایک کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگے۔۔۔آخر چاروں باہر نکل آئے۔

''وہ ان میں نہیں ہے''۔

''کیا مطلب'' فاروق احمد حیران ہو کر بولے۔

''جس نے فائر کیا ہے۔۔۔ان میں شامل نہیں ہے''۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ہم ان سب کی گنتی پوری کر چکے ہیں''۔

''اس کا مطلب ہے۔۔۔کوئی یہاں چوری چھپے آیا تھا۔۔۔وہ ان میں شامل نہیں ہے۔۔۔اس نے یہ کام کیا ہے''۔انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

''تب پھر ہم اسے کس طرح تلاش کر سکتے ہیں؟''

''وہ آس پاس کسی اور کیمپ میں تربیت لینے والوں میں شامل

ہے۔۔۔وہاں سے ادھر آیا ہو گا"۔

"اوہ۔۔۔اس طرف ہم نے کبھی توجہ نہیں دی"۔ فاروق احمد کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"ہم ان کیمپوں میں نہیں جا سکتے۔۔۔آپ جا سکتے ہیں"۔

"لیکن دوسرے کیمپ کے آدمی کو ہم گرفتار نہیں کر سکیں گے۔۔۔سزا نہیں دے سکیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"لیکن ابا جان ہم اسے اغوا تو کر سکتے ہیں اور اغوا کر کے یہاں تو لا سکتے ہیں"۔

"اوہ ہاں! بہت خوب۔۔۔فاروق صاحب۔۔۔آپ کوئی گارڈ ہمارے ساتھ کر دیں۔۔۔ہم یہ کام آج رات کریں گے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔یہ ہو جائے گا"۔

اسی وقت وہ گارڈ کے پیچھے چلتے ایک نزدیکی کیمپ تک پہنچے۔۔۔وہ بہت مختصر سا کیمپ تھا۔۔۔سینے کے بل رینگ کر وہ کیمپ کی حدود میں داخل ہو گئے۔۔۔ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک کمرہ نظر آیا۔۔۔ کچھ فاصلے پر تین کمرے اور نظر آئے۔۔۔پہلے وہ اس کمرے تک پہنچے۔۔۔دروازے سے لگ کر سن گن لیتے رہے۔۔۔پھر دوسرے کمرے کی طرف چل پڑے۔۔۔ایک پہاڑی پر انہیں دو پہرے دار کھڑے نظر آئے۔۔۔لیکن چونکہ وہ سینے کے بل یا بہت زیادہ جھک کر جا رہے تھے۔۔۔اس لئے وہ انہیں دیکھ نہیں سکے تھے۔۔۔

دوسرے کمرے میں بھی مکمل خاموشی تھی۔

تیسرے کمرے میں انہیں باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔۔کوئی کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ملشا سان۔۔۔یہ راز اب راز رہے گا۔۔۔تم کسی سے

بھی ذکر نہیں کرو گے۔۔۔اسی لیے میں نے تمہیں اکیلے کو اس کمرے میں ٹھہرایا ہوا ہے۔۔۔تاکہ میری آمدورفت کا کسی کو پتہ نہ چلے"۔

"ٹھیک ہے سر۔۔۔آپ فکر نہ کریں۔۔اب یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔۔۔میں صبح سویرے منہ اندھیرے یہاں سے نکل جاؤں گا۔۔۔نہ کسی کو میری آمد کا پتہ چلے گا۔۔۔نہ جانے کا۔۔۔ہم پر کوئی شک نہیں کر سکے گا۔۔۔اپنا مشن ہم چند ماہ بعد شروع کریں گے۔۔۔جانی نہ پکڑا جاتا تو یہ معاملہ کب کا ختم ہو چکا تھا۔۔۔لیکن اب جبکہ ہم نے جانی کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔۔۔کچھ انتظار کرنا پڑے گا"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔۔۔""اچھا اب میں چلتا ہوں"۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔۔۔وہ ایک طرف ہٹ گئے۔۔۔

اندھیرے میں بھی انہوں نے کسی کو باہر نکل کر تاریکی میں گم ہوتے دیکھا۔۔۔جب کافی دیر گزر گئی تو وہ آگے بڑھے اور دروازے پر انگلی سے دستک دے ڈالی۔



اغوا کے مجرم:

اس شخص نے بھی انہیں دیکھا۔۔۔اس کے چہرے پر خوف کے آثار طاری ہو گئے۔۔۔اچانک اس نے دوڑ لگا دی۔

''پکڑو اسے''۔انسپکٹر جمشید چلائے''۔

محمود اور فاروق اس کی طرف دوڑے اور آن کی آن میں اس تک پہنچ گئے۔۔۔اس نے بھی ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ان کی پہنچ سے دور ہونے کی کوشش کی۔۔۔لیکن محمود نے آگے بڑھ کر اپنی ٹانگ اڑا دی۔۔۔وہ منہ کے بل گرا۔۔اور پھر وہ اسے چھاپ بیٹھے۔

’’خیر تو ہے۔۔۔آپ ہمیں دیکھ کر بھاگ کیوں نکلے تھے؟‘‘ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’جی بس۔۔۔ایسے ہی۔۔۔دوڑنے کو جی چاہا دوڑ پڑا‘‘۔ وہ بولا۔

’’اچھا کیا۔۔۔ایسا ہی کرنا چاہیے تھا‘‘۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

’’اب آپ ہمارے ساتھ ذرا تھانے تک چلنا پڑے گا‘‘۔

’’تھ تھ۔۔۔تھانے۔۔۔یہ کیا مذاق ہے؟ وہ چلا اٹھا۔

’’ہاں واقعی۔۔۔’’آپ کا ہمارا بھلا مذاق کا کیا رشتہ‘‘۔ محمود بولا۔

’’آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟

’’انوار + پچیس لاکھ‘‘ فرزانہ بولی۔

’’انوار + پچیس لاکھ‘‘۔۔۔یہ کیا بات ہوئی؟‘‘

’’اگر یہ کوئی بات نہیں تو آپ کو یہ بتانا پڑے گا کہ آپ ہمیں دیکھ کر بھاگے کیوں تھے؟‘‘ انسپکٹر جمشید بولے۔

''میں آپ کو دیکھ کر بھاگا تھا''۔ اس نے بھنا کر کہا۔

''ارے ہاں واقعی۔۔۔ بھاگے تو آپ کو دیکھ کر ہم تھے''۔ فاروق نے فوراً کہا۔

''یار تم تو چپ رہو''۔ انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

''جی بہت بہتر''۔ فاروق نے فوراً کہا۔

''خاموش ہوتے ہوتے بھی دو چار جملے بول جاتا ہے''۔ فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

''اور تم نے خاموشی کا کون سا ریکارڈ توڑا ہے۔۔۔ یہ جملہ بول کر''۔ محمود بولا۔

''ہاں بس۔۔۔ خاموش تو تم ہی رہے''۔ فاروق مسکرایا۔

''اوہو۔۔۔ یہ تم کیا لے بیٹھے''۔

''جی۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں''۔ اس نے گھبرا کر کہا اور اپنے ہاتھوں

پیروں کو باری باری جلدی جلدی دیکھنے لگا۔

''حد ہو گئی۔۔۔نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل''۔فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

''یہ فون بوتھ موقع نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔لہٰذا موقع تو ہم دیکھ رہے ہیں۔۔۔رہ گیا محل۔۔۔لو وہ رہا سامنے ایک عدد محل بھی''۔

''کیا کہا۔۔۔محل'' وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر اس طرف دیکھا۔۔۔وہاں واقعی ایک شاندار محل موجود تھا۔

''حد ہو گئی۔۔۔فاروق تم سے خدا سمجھے''۔انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

''اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ یہ شخص اسی محل میں رہتا ہے۔۔۔یا کم از کم اس محل سے اس کا کوئی تعلق ضرور ہے تو؟''

''ہم کہیں گے۔۔۔بے پر کی اڑانا اس کی گھٹی میں پڑا ہے''۔

''توبہ ہے۔۔۔ایک محاورہ دوسرا نیم چڑھا''۔

کیا کہا۔۔۔ایک محاورہ دوسرا نیم چڑھا''۔انسپکٹر جمشید کی ہنسی

چھوٹ گئی۔

''شش۔۔۔شاید۔۔۔میں درست کہہ گیا ہوں''۔فاروق نے گھبرا کر کہا۔

''ہاں غلط تو ہم ہیں''۔محمود نے منہ بنایا۔

''اچھا ختم کرو۔۔۔اسے لے چلو۔۔۔کمرۂ امتحان میں بات کریں گے''۔

''میرا قصور کیا ہے؟''وہ چیخا۔

عین اس وقت اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا اور تیر کی طرح اس محل کی طرف دوڑ گیا۔

''ارے ارے۔۔۔یہ کیا دوڑو بھئی''۔

انہوں نے بھی دوڑ لگا دی۔۔۔لیکن اس وقت تک وہ محل میں داخل ہو کر غائب ہو چکا تھا۔

''یہ تو شاید گیا ہاتھ سے۔۔۔ لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس کا تعلق اس محل سے ثابت ہو گیا۔۔۔ آؤ چلیں۔۔۔ شاید ہم کامیابی کے بہت قریب ہیں۔۔۔ ویسے یہ محاورہ بہت با محل تھا۔۔۔ موقع محل تو دیکھ لیا کرو''۔ وہ پر جوش انداز میں بولے۔

وہ تیز تیز چلتے محل تک پہنچے۔۔۔ سڑک کے کنارے اس قدر شان دار محل دیکھ کر انہیں حیرت سی ہوئی۔۔۔ دستک دی گئی تو بڑے گیٹ میں سے ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا۔۔۔ ایک باوردی ملازم نے سر باہر نکالا۔

''کیا بات ہے جناب؟''

''کالا کلوٹا سا ایک آدمی۔۔۔ ابھی ابھی دوڑ کر اندر داخل ہوا ہے۔۔۔ ہمیں اس سے ملنا ہے''۔

''اوہ۔۔۔ آپ کالیا کی بات کر رہے ہیں۔۔۔ وہ تو یہاں کا ملازم

ہے۔۔۔آپ کو اس سے کیا کام آپڑا''۔

''وہ ہمارا مجرم ہے''۔انسپکٹر جمشید بولے۔

''آپ کا مجرم۔۔۔نہیں جناب۔۔۔اس نے جرم کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔۔مدت ہوئی''۔

''کیا مطلب؟ وہ چونکے۔

''پہلے وہ ایک چور تھا۔۔۔لیکن اب چوری چھوڑ چکا ہے۔۔۔اور یہاں ملازمت کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے''۔

''لیکن۔۔۔وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ کیوں اٹھا؟''

''آپ کون ہیں۔۔۔پہلے تو یہ بتائیں؟'' ملازم بولا۔

''میں انسپکٹر جمشید ہوں''۔

''اوہ! تو وہ آپ کو پہچان کر بھاگا ہو گا کہیں آپ بلا وجہ اسے گرفتار نہ کر لیں''۔

''ہم بلاوجہ کسی کو گرفتار نہیں کرتے۔۔۔آپ اسے بلائیں اس سے چند سوال پوچھنا چاہتے ہیں''۔

''اوہ اچھا'' یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔

''ایک منٹ! یہ محل کس کا ہے؟''

''رانا ساغر صاحب۔۔۔بہت بڑے شاعر ہیں''۔

''وہ اچھا۔۔۔انہیں بتائیں۔۔۔ہم آئے ہیں۔۔۔اور کالیا کو بھی بلائیں''۔

''چکر کیا ہے جناب؟''

''رانا صاحب کے سامنے بتاؤں گا آپ جلدی کریں''۔

''اچھی بات ہے''۔

وہ چلا گیا۔۔۔جلد ہی اس کی واپسی ہوئی۔

''ساغر صاحب۔۔۔آپکو بلا رہے ہیں''۔

وہ اس کے پیچھے محل میں داخل ہوئے۔۔۔اندر سے اس محل کو دیکھ کر انہیں اور بھی حیرت ہوئی۔۔۔وہ قلعہ نما تھا اور اس میں باقاعدہ فصیل بنائی گئی تھی۔۔۔چاروں طرف برج تھے۔۔۔اور ان برجوں میں کلاشن کوفوں والے نگران کھڑے تھے۔۔۔ایک طرف کچھ لوگ رنگ وروغن کرنے میں مصروف تھے۔

''یہ رانا صاحب کے پاس اس قدر دولت کہاں سے آگئی؟''

''انگریزوں کے زمانے میں ان کے دادا کو بہت بڑی جاگیر انعام میں ملی تھی۔۔۔اس جاگیر کو فروخت کر کے یہ محل بنوایا۔۔۔اور باقی دولت بنک میں جمع کرادی۔۔۔اب اس کا منافع اتنا مل جاتا ہے۔۔۔کہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں''۔

''منافع نہیں سود''۔انسپکٹر جمشید نے نفرت زدہ الفاظ میں کہا۔

''جی نہیں۔۔۔انہوں نے نفع اور نقصان والے اکاؤنٹ میں رقم جمع

کرائی ہوئی ہے‘‘۔ ملازم نے منہ بنا کر کہا۔

’’اس اکاؤنٹ سے ملنے والا منافع بھی خالص سود ہے۔۔۔ علمائے اکرام کا یہ فتویٰ شائع ہو چکا ہے‘‘۔

’’مجھے ایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ آیئے‘‘۔ اس نے بھنا کر کہا۔

اور پھر وہ ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے۔۔۔ کمرے کے درمیان میں ایک بہت بڑی مسہری بچھی تھی۔۔۔ اس کے چاروں طرف جھالریں لگی تھیں۔۔۔ پنکھے کی ہوا سے جھالریں ہلتی ہوئی بہت عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔۔۔ مسہری پر ایک لمبے چوڑے قد کا بڑی بڑی خوفناک آنکھوں والا شخص نیم دراز تھا۔۔۔ آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں۔۔۔ اس کے جسم پر سیاہی مائل نیلا لباس تھا۔

’’کیا بات انسپکٹر؟‘‘ اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

''آپ اپنے ملازم کالیا کو بلائیں۔۔۔پھر بات ہوگی''۔

''میں حاضر ہوں''۔دروازے کی طرف سے آواز سنائی دی۔

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔۔۔کالیا پرسکون انداز میں چلا آرہا تھا۔

''سر!میں آپ کی اجازت سے اپنے گھر والوں کو پیغام دینے گیا تھا۔۔۔یہ کہ میں آج نہیں آسکوں گا۔۔۔پریشان نہ ہونا''۔

''ہاں!یہ ٹھیک ہے۔۔۔آج رات ایک چوکیدار چھٹی لے کر جارہا ہے۔۔۔اس کی جگہ کالیا ڈیوٹی دے گا۔۔۔میں نے ہی اس سے کہا تھا کہا اپنے گھر فون کردو''۔

''شکریہ۔۔۔آپ نے اچھا کیا' یہ ہدایت کالیا کو دی۔۔۔لیکن آپ کو چاہیے کہ جرائم پیشہ لوگوں کو ملازم نہ رکھیں۔۔۔ایسے لوگ ہم جیسوں کو دیکھ کر ہی ڈر جاتے ہیں''۔انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

''اب اگر ایک آدمی گناہوں سے توبہ کرلے تو اسے ضرور ملازمت ملنی

چاہیے"۔ رانا ساغر نے منہ بنایا۔

"ہاں خیر۔۔۔ یہ بات بھی ہے۔۔۔ اچھا ہم چلتے ہیں۔۔ ہم نے آپ کو بلاوجہ پریشان کیا"۔

"کوئی بات نہیں"۔ وہ بولے۔

وہ جانے کے لئے مڑے۔۔۔ دروازے پر پہنچے تھے کہ فرزانہ مسہری کی طرف مڑی۔

"کیا مسٹر کالیا کے گھر فون لگا ہوا ہے"۔

"نہیں۔۔۔ میں اپنے پڑوس کو فون کر کہ پیغام دے دیتا ہوں۔۔۔ پڑوسی گھر والوں کو پیغام دے دیتا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ پڑوسی کا فون نمبر کیا ہے؟"

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"آپ اپنے پڑوسی کا فون نمبر بتائیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

''فون نمبر۔۔۔لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ گھبرا گیا۔

''پتا نہیں۔۔۔آپ فون نمبر بتائیں''۔انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

''نمبر بتا دو بھئی۔۔۔اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اب یہ بات گھر تک جائے گی کہ میرے خلاف یہ لوگ کچھ معلوم کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔اس طرح میری بیوی خیال کرے گی کہ میں پھر کچھ کرنے لگ گیا ہوں''

''نہیں! ہم صرف پڑوسی سے تصدیق کریں گے اور بس''۔

''جی اچھا۔۔نمبر ہے ۹۶۹۶۹۶''۔

''شکریہ''۔

''کیا میں فون کر سکتا ہوں یہاں سے''۔

''جی ہاں ضرور۔۔۔کیوں نہیں''۔رانا ساغر نے فوراً کہا۔

وہ فون تک گئے۔۔۔یہ نمبر ملائے۔۔۔دوسری طرف سے ایک

کھردری سی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کیا آپ کالیا کے پڑوسی بات کرر ہے ہیں''۔

''جی کالیا۔۔۔اوہ ہاں۔۔۔وہ میرا پڑوسی ہے۔۔۔کیا وہ کسی مشکل میں پھنس گیا ہے''۔

''جی نہیں۔۔۔کیا آپ نے اس کے گھر پیغام دے دیا''۔

''ہاں بالکل۔۔۔تھوڑی دیر پہلے اس نے فون کر کے کہا تھا۔۔۔کہ اس کے گھر پیغام دے دینا۔۔۔وہ رات کو گھر نہیں آئے گا''۔

''شکریہ''۔انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔۔۔پھر ان کی طرف

مڑے۔

''شکریہ! ہمارا اطمینان ہو گیا''۔

اور پھر وہ دروازے کی طرف مڑے۔۔۔عین اس وقت ان کی جیب میں رکھے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔۔۔سیٹ باہر نکال کر وہ بولے۔

''انسپکٹر جمشید پلیز''۔

''سر۔۔۔انوار صاحب مل گئے''۔اکرام کی آواز سنائی دی۔

''کیا۔۔۔کیا۔۔۔انوار صاحب مل گئے'' وہ چلائے۔

''ہاں۔۔۔وہ تو اپنے گھر بھی پہنچ چکے ہیں''۔

''اوہ! بہت خوب۔۔۔ہم آ رہے ہیں''۔انہوں کے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتے باہر آ گئے۔۔۔پھر کار میں بیٹھتے ہوئے بولے۔

''انوار صاحب تو گھر بھی پہنچ گئے اور ہم یہاں دھکے کھا رہے ہیں''۔

''اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہماری تفتیش اس بار غلط سمت میں جا رہی تھی۔۔۔کالیا یا رانا ساغر کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں''۔محمود نے کہا۔

''اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے''۔

''خیر۔۔۔پہلے تو انوار سے بات کرتے ہیں۔۔۔اسے کہاں رکھا گیا

تھا۔۔۔اغوا کرنے والے کون لوگ تھے؟'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

وہ آئی جی صاحب کے گھر پہنچے۔۔۔ان کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

'' آؤ جمشید۔۔۔مبارک ہو۔۔۔انوار گھر آ گئے ہیں۔۔۔اور شاید یہ تمہاری زندگی کا پہلا کیس ہے۔۔۔جس میں تم مکمل طور پر ناکام رہے ہو''۔وہ چہکتی آواز میں بولے۔

'' آپ ٹھیک کہتے ہیں سر۔۔۔لیکن کیس ابھی ختم کب ہوا ہے؟''

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔۔۔اسی وقت اکرام بھی ان کے نزدیک آ گیا' وہ ان سے پہلے وہاں پہنچا ہوا تھا۔۔۔مبارک باد دینے والے وہاں دھڑا دھڑ آ رہے تھے۔

'' کیا مطلب۔۔۔کیس ختم نہیں ہوا؟''

'' جی نہیں۔۔۔جب تک اغوا کے مجرم نہ پکڑے جائیں۔۔۔اس

وقت تک کیس کیسے ختم ہو سکتا ہے"۔

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔۔۔لیکن مجھے اغوا کرنے والوں کی فکر نہیں۔۔۔ پکڑے ہی جائیں گے۔۔۔میرا بیٹا گھر آ گیا ہے۔۔۔میرے لئے تو اصل بات یہ ہے"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں"۔

"آؤ میرے ساتھ"۔

جونہی انوار کا ان سے آمنا سامنا ہوا وہ بہت زور سے اچھلے۔

